بموقع: تحفظ سنت کانفرنس

زیر اہتمام: جمعیت علماء ہند

# فرض نماز کے بعد دعاء متعلقات و مسائل

از


## مولانا عبد الحمید نعمانی



شائع کردہ

**جمعیۃ علماء ہند**

۱ بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

فرض نماز کے بعد دُعا
متعلقات و مسائل
مولانا عبدالحمید نعمانی
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، جمعیۃ علماء ہند
شائع کردہ
شعبۂ نشر و اشاعت
جمعیۃ علماء ہند
۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)

# تمہید

اعتدال پسندی امت مسلمہ کی نمایاں پہچان ہے۔ کتاب و سنت میں میانہ روی، اعتدال پسندی اور افراط و تفریط سے ہٹ کر بیچ کی راہ پر چلنے کی تحسین کی گئی ہے، تاریخ گواہ ہے کہ امت میں دینی، فکری یا عملی انحراف اور خرابیاں افراط یا تفریط کی راہ اپنانے ہی سے پیدا ہوئیں۔ اور یہ ہوتا ہے کچھ ذہنوں کی تفرد پسندی کی وجہ سے۔ کبھی یہ تفرد پسندی، نیک نیتی سے ہوتی ہے اور کبھی خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہتے، کرتے رہنے کی جذبے سے۔

ایسے ہی مسائل میں سے، فرض نمازوں کے بعد دُعا اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ بھی ہے کچھ حضرات کی شدت پسندی نے اسے ضرورت سے زیادہ متنازعہ بنا دیا ہے۔ ایک طرف جہاں فرض نماز کے بعد دُعا اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کو لازم اور ترک دُعا کو قابلِ مذمت فعل قرار دیا جاتا ہے، وہیں دوسری طرف، ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو بدعت اور نہ کرنے ہی کو عمل رسولؐ اور اصل سنت قرار دیا جا رہا ہے، اور یہ فریق اپنے نظریے و عمل میں انتہا پسند اور بڑا جارح ہے، جب کہ راہ صواب افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ یعنی فرض نماز کے بعد دعا اور ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا اصولِ شرعیہ کے تحت پسندیدہ، مسنون اور امت کے عملی توارث کے پیش نظر ایک مستحسن فعل ہے۔ اسے بدعت یا خلاف سنت قرار دینا، بلاشبہ تفرد اور انتہا پسندی اور غیر محتاط رویّہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر مختلف مواقع پر، ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا صحاحِ ستہ اور دیگر کتب احادیث کی روایتوں سے ثابت ہے۔ فرض نماز کے بعد بھی دُعا کرنا ثابت ہے۔ اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا قبولیت کی زیادہ اُمید ہونے کے پیش نظر ہے، اس کا شدت سے انکار کرنا خود ایک طرح کی بدعت ہے۔ جب فرض نماز کے بعد دُعا یا ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی عمل بھی رہا ہے تو انکار و تغلیط کو ایک مخصوص موقع محل سے متعلق کر دینا، ایک

غیر ضروری شدت پسندی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ، اور ان کی تقلید میں علامہ ناصر الدینؒ البانی، مفتی عثیمینؒ اور شیخ ابن بازؒ اور کچھ غیر مقلد علماء جس شدت پسندی اور بلا وجہ کی جارحیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اسے کسی معنی میں بھی دین کی خدمت اور اتباعِ سنت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جو حضرات فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو وجوب و لزوم کا درجہ دے رہے ہیں، اس کا بھی خدمت دین اور اتباعِ سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک جائز اور مسنون امر کو ضروری قرار دینا اور اس کے نہ کرنے والوں کو طعن تشنیع کا نشانہ بنانا، ایک غیر مستحسن اور ناپسندیدہ فعل ہے۔ البتہ ترکِ دُعا کو معمول اور اپنا شعار اور پہچان بنالینا بھی کوئی امر محمود نہیں ہو سکتا ہے، نہ وہ اصولِ شرعیہ کے تحت آتا ہے نہ یہ۔

دیگر مختلف مواقع اور نماز کے بعد دُعا کے تعلق سے کتبِ احادیث میں جو روایات پائی جاتی ہیں، ان پر اور دیگر متعلقات پر نظر ڈالنے سے فرض نماز کے بعد دُعا اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا ہے اور اسے بدعت کہنا بذاتِ خود بدعت ہے۔ عرب ممالک کے کچھ حصے میں امام ابن تیمیہؒ کے فکری غلبے اور عرب میں تیل کی برآمدگی سے پہلے پہلے تک خود غیر مقلد علماء و عوام دونوں کا وہی معمول تھا جو امت کے دیگر محدثین، فقہاء، ائمہ، اور علماء و عوام کا تھا، مولانا سید نذیر حسین، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا یونس دہلوی اور مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی نے بھی فرض نماز کے بعد دُعا اور اس میں ہاتھ اٹھانے کو بدعت قرار نہیں دیا ہے۔ عام اصولِ شرعیہ، امت کا عمل اور محدثین و فقہاء اور علماء کی تشریحات کے ہوتے ہوئے چند افراد کے تفردات کے پیش نظر ایک جائز امر کو بدعت قرار دینا ایک ناقابلِ فہم بات ہے۔ اور جن غیر واضح روایات کے پیش نظر بدعت کا فیصلہ کیا گیا ہے، ان کا اصل مسئلے سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے، ان میں نماز کے بعد دعا اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں۔ اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی نہی و ممانعت ہی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود پر حتمی استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، جب کہ دوسری طرف بہت سی صحیح احادیث میں اعمالِ صالحہ کرنے کے



بعد خدا سے دُعا کرنے اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ملتا ہے۔ لہٰذا جواز دعا کا پہلو، بہر حال قابلِ ترجیح ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ نماز کے بعد دعا کے عدم جواز کی بات شریعت کے کسی اصول کے تحت نہیں آتی ہے، الّا یہ کہ مباح و مسنون امر کو فرض یا واجب کا درجہ دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں فقہاء ائمہ، خصوصاً حنفی فقہاء و محدثین سے شدید نکیر منقول ہے۔ اس لیے ہر شرعی مسئلے کو اس کے اصل درجے میں رکھ کر ہی بحث و گفتگو اور فیصلہ ہونا چاہیے۔

کتبِ احادیث میں دُعا کے تعلق سے جو روایات پائی جاتی ہیں اور محدثین و فقہاء اور علماء نے دُعا اور اس کے آداب و احکام پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں سب کے مجموعی مطالعے سے ۲۱-۲۲ مواقع پر دُعا کرنا ثابت ہے۔ قبولیت دُعا کے کچھ مقامات و اوقات کے تعین کا بھی ثبوت ملتا ہے، مزید یہ کہ ذکر و دُعا کے لیے کسی وقت یا دن کی پابندی کو لازمی قرار نہیں دیا گیا ہے۔ جب چاہے آدمی خدا سے دُعا و ذکر کر سکتا ہے۔ اہلِ علم، علمی اطمینان کے لیے نمونے کے طور پر محدث ابن سنیؒ کی عمل الیوم واللیلۃ، امام نووی کی کتاب الاذکار، علامہ ابن جزریؒ کی حصن حصین، اور فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۲ کتاب الدعوات، ابن قیم کی زاد المعاد اور حضرت تھانویؒ کی استجاب الدعوات، اور کتبِ احادیث کی کتاب الدعوات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

کتبِ احادیث میں مذکور جن مواقع پر دعا کرنا ثابت ہے، بیشتر کے سلسلے میں اتفاق ہے، صرف فرض نماز کے بعد کی دعا اور اس میں ہاتھ اُٹھانے کے سلسلے میں کچھ حضرات اختلاف کرتے ہیں بلکہ اختلاف سے آگے بڑھ کر بدعت، غیر شرعی اور قابلِ ترک عمل قرار دیتے ہیں۔ اس آخر الذکر، امر کے سلسلے میں کچھ طالب علمانہ معروضات و مطالعات پیش کرنا ہے۔ سب سے پہلے ہم وہ روایتیں پیش کریں گے۔ جن سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ثابت ہوتا ہے، پھر ان روایات کا ذکر ہوگا جو نماز کے بعد کی دعاؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد وہ روایات اور متعلقہ مسائل زیر بحث آئیں گے جن سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

# دُعا میں ہاتھ اُٹھانا

(۱) عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ ان ربکم حیی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع الیہ یدیہ ان یردھما صفراً۔ (بلوغ المرام باب الذکر والدعاء ص ۴۴۶ مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء بالجامعۃ السلفیۃ، بنارس ۱۹۸۲ء)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"اخرجہ الاربعۃ الا النسائی وصححہ الحاکم" یعنی اس روایت کی ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ نے تخریج کی ہے اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حاکم کی روایت میں صفراً کی بجائے "خائبین" ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

روایت کا مطلب یہ ہے کہ تمھارا پروردگار، انتہائی حیادار اور کریم ہے (اس لیے) جب بندہ اس کے آگے دست سوال پھیلاتا ہے تو اسے شرم آتی ہے کہ ان کو خالی اور ناکام لوٹا دے۔

یہ روایت ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں عام ہے۔ اسے کسی خاص نماز یا حالت سے مخصوص کرنا بلا دلیل ہے، ساتھ ہی اجابتِ دُعا، حصولِ مراد اور خدائے قدیر کی توجہ و عنایت مبذول کرانے کے لیے ہاتھ پھیلا کر مانگنے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے، لیکن چونکہ امام حاکم تصحیح و تعدیل میں متساہل مانے جاتے ہیں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ کچھ غیر مقلد حضرات، جواز دعا میں تشکیک پیدا کرنے کی سعی کریں۔ اس لیے روایت کی صحت واستناد کو راقم الحروف مزید واضح کردینا چاہتا ہے۔

یہ روایت مستدرک حاکم جلد اوّل، ص ۵۳۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن میں ہے جس کے ساتھ امام ذہبیؒ کی تلخیص وتنقید بھی شائع ہوئی ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے امام حاکم کی تصحیح روایت کی توثیق وتائید کی ہے۔ لہٰذا اس روایت کو ناقابل استدلال واحتجاج قرار نہیں دیا جاسکتا اور ساتھ ہی امام حاکم کی تصحیح سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اتفاق کیا ہے۔ کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کچھ اہلِ علم دوستوں کو تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب میں حافظ



ابن حجرؒ نے جو اقوالِ تجریح وتوثیق نقل کیے ہیں، ان سے کچھ مغالطہ ہوجائے، تاہم دونوں طرح کے تبصرے کو دیکھتے ہوئے روایت کی صحت کا پلڑا بھاری نظر آتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ روایت میں ایک راوی جعفر بن میمون ابوعلی بیاع الانماط ہے، جسے امام احمد بن حنبلؒ نے لیس بقوی فی الحدیث کہا ہے، لیکن یہ کوئی زیادہ سخت جرح نہیں ہے، کبھی کبھار روایت میں خطا کرجانے سے ثقاہت ساقط نہیں ہوجاتی ہے۔ مزید یہ کہ جعفر بن میمون کو امام یحییٰ بن معین اور ابوحاتم رازی نے صالح قرار دیا ہے اور ابوعلی نے لاباس بہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے عون المعبود شرح ابوداؤد از مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ، ص ۳۶۰/ج ۱) اور حافظ ابن حجرؒ نے صدوق یخطی من السادسہ میں شمار کیا ہے۔

(تقریب التہذیب، تحت جعفر بن میمون)

بلوغ المرام کی تصحیح اور تقریب کی تصدیق کو ملانے سے روایت بالکل بے غبار ہوجاتی ہے۔ غالباً روایت کی صحت کے پیش نظر ہی بلوغ المرام کے غیر مقلد تعلیق نگار جناب مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے سرے سے کچھ گفتگو ہی نہیں کی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث روایت کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اس روایت کو کتاب الصلوٰۃ باب الدعا میں نقل کرکے کسی طرح کی کوئی جرح نہیں کی ہے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے حافظ ابن حجرؒ کا قول صدوق یخطی نقل کیا ہے۔ (بذل المجہود ص ۳۳۸، ج ۷، مطبوعہ مکۃ المکرمہ) محدث امام ابن حبان نے یہ روایت نقل کی ہے۔ امام ابن ماجہؒ نے بھی ابن ماجہ کتاب الدعاء باب رفع الیدین میں حضرت سلمان فارسیؓ والی روایت نقل کی ہے۔ محدث شہاب الدین بوصیریؒ اور علامہ ناصر الدین البانی کی اس روایت کے بارے میں جو رائے ہے وہ قابل غور ہے۔

محدث شہاب الدین بوصیریؒ نے مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ کے نام سے چار جلدوں میں ایک کتاب تحریر کی ہے، جس میں انھوں نے ابن ماجہ کی روایتوں پر بہت اچھا کلام کیا ہے اور ضعف وصحت کی نشاندہی کی ہے۔ انھوں نے زیرِ گفتگو روایت سلمانؓ پر کچھ نہیں کہا ہے اور نہ ہی کسی طرح کا کلام کرنے کے لیے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

(دیکھئے مصباح الزجاجۃ، جلد چہارم، دارالعربیہ، بیروت)

علامہ ناصرالدین البانیؒ نے صحیح ابن ماجہ اور ضعیف ابن ماجہ کے نام سے ایک کتاب تین جلدوں میں ترتیب دی ہے، دوجلدوں میں صحیح روایتوں کو جمع کیا ہے اور ایک جلد میں ضعیف روایتوں کو۔ زیرِ بحث روایت کو صحیح ابن ماجہ کی دوسری جلد میں جگہ دی ہے اور لکھا ہے ''صحیح'' التحقیق الثانی (ص ۳۳۱، ۲/ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، تیسرا ایڈیشن) یعنی دوسری بار کی تحقیق میں روایت کو ٹھونک بجا کر دیکھا اور صحیح قرار دیا ہے۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف کی کتاب الدعوات میں بھی موجود ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبید اللہ مبارک پوریؒ نے مرعاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد سوم (مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس) میں روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس لیے بعد کے کسی آدمی کی کمزور تاویل وتشکیک سے روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہے۔ نیز یہ کہنا کہ حضرت سلمانؓ والی روایت ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے پر صریح دلالت نہیں کرتی ہے، ایک بے معنی سی بات ہے۔ آخر اس روایت میں کون سا ایسا لفظ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت فرض نماز کے بعد دعا اور اس میں ہاتھ اُٹھانے سے بالکل غیر متعلق ہے، مطلق وعام کی تقیید وتخصیص کی آخر کون سی دلیل پائی جاتی ہے۔ جب اور مواقع اور مقامات پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو تسلیم کیا جاتا ہے تو آخر فرض نماز کے بعد دُعا اور اس میں رفع یدین سے کس بنیاد پر پرہیز کرنا چاہیے؟

(۴) ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی دوسری حدیث ترمذی شریف جلد دوم ابواب الدعوات کے **باب ماجاء فی رفع الایدی عندالدعاء** میں آئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لیے دست مبارک اُٹھاتے تھے تو اس وقت تک نیچے نہیں کرتے تھے جب تک کہ دونوں ہاتھ چہرۂ مبارک پر نہیں پھیر لیتے تھے روایت کے الفاظ یہ ہیں:

**''عن عمر بن الخطاب قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ.''**

آگے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

**''قال محمد بن المثنیٰ فی حدیثہ لم یردھما حتی یمسح بھما وجھہ**



**ھذا الحدیث غریب[1] لانعرفه الامن حدیث حماد بن عیسیٰ و تفرد به. وھو قلیل الحدیث و قد حدث عنه الناس و حنظلة بن ابوسفیان الجمحی ثقة و ثقه یحیی بن القطان.''**

امام حاکم نے مستدرک میں ان الفاظ میں روایت کی ہے:

**کان اذا مدّ یدیہ فی الدعاء لم یردھما حتیٰ یمسح بھما وجھہ۔**

(مستدرک للحاکم مع التلخیص للذھبی، جلد اوّل، ص ۵۳۶، مطبوعہ حیدر آباد دکن)

اگر غور سے دیکھئے تو دونوں روایتوں میں معنوی طور پر کوئی بنیادی فرق نہیں۔ مدّ اور رفع اور **لم یحطھما** اور **لم یردھما** بالکل ہم معنی ہیں۔ اس روایت کو جتنا بھی کم سے کم درجہ دیا جائے، ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے جواز واستحباب کا اثبات تو ہوتا ہی ہے۔ رواۃ بھی ثقہ ہیں۔ گرچہ حماد بن عیسیٰ لفظی اعتبار سے روایت کرنے میں منفرد ہے لیکن بذات خود روایت معنوی طور پر بالکل صحیح ہے اور کثرتِ روایات وطرق کے پیش نظر روایت درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

یہ ہماری رائے نہیں ہے بلکہ اُن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تحقیق اور فیصلہ ہے جن کا حوالہ غیر مقلد حضرات اپنے موقف کے اثبات کے لیے بہت سے مسائل میں دیتے رہتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ، حضرت عمرؓ والی روایت نقل کرنے کے بعد فیصلہ دیتے ہیں۔

**اخرجه الترمذی وله شواھد منھا حدیث ابن عباس عند ابی داؤد وغیرہ و مجموعھا یقتضی انه حدیث حسن، بلوغ المرام۔**

(باب الذکر والدعاء، ص ۴۴۶، مطبوعہ بنارس)

اس روایت پر تعلیق نگار مولانا صفی الرحمٰن صاحب نے کچھ نہیں لکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں حافظ صاحب کی تحقیق وفیصلے سے اتفاق ہے۔

---

[1] ترمذی کے نسخے میں کچھ اختلاف ہوگیا ہے۔ یہاں حسن صحیح کے الفاظ رہ گئے ہیں۔ اصل میں ''ھذا حدیث حسن صحیح غریب'' ہے۔ کمافی الفتوحات الربانیہ، ص ۲۵۸، ج ۷، حاشیہ العلل المتناھیہ ص ۳۵۷، ج ۲، شیخ عبدالحق نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ کمافی الاذکار۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ابوداؤد میں موجود حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے۔

**سلوا اللہ ببطون اکفکم ولاتسألوہ بظھورھما فاذا فرغتم فامسحوا بھماوجوھکم۔** (کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء، ص ۵۵۳. الدعوات الکبیر للبیھقی، ص ۳۹، ابن حبان فی المجروحین، ص ۳۶۳، ج ۱، العلل لابن ابی حاتم، ص ۳۵۱، ج ۲، قیام اللیل للمروزی، ص ۲۳۲)

ابن ماجہ میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ یہی روایت اس طرح ہے:

**اذا دعوت اللہ فادع ببطون کفیک ولاتدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک۔** (کتاب الدعاء)

مستدرک جلد اوّل، ص ۵۳۶ کی روایت میں ابوداؤد کی روایت (**سلوا**) اور ابن ماجہ کی روایت دعوت کی جگہ سالتم ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہے۔روایت بالمعنی میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ روایت میں کوئی بنیادی تبدیلی وفرق تو نہیں ہوگیا ہے اور یہاں کچھ نہیں ہوا ہے۔البتہ سند کے اعتبار سے کچھ ضعف ضرور ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کے اوپر کے کچھ رواۃ میں بھی اختلاف ہے، ابوداؤد کی سند یوں ہے۔

**حدثنا عبداللہ بن مسلمہ حدثنا عبدالملک بن محمد بن ایمن عن عبداللہ بن یعقوب بن اسحاق عمن حدثہ عن محمد بن کعب القرظی.**

اور ابن ماجہ کی سند یہ ہے:

**حدثنا محمد بن الصباح، حدثنا عائذ بن حبیب عن صالح بن حسان عن محمد بن کعب القرظی.**

مشہور غیر مقلد عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کی شرح عون المعبود کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن یعقوب کا طریق تمام طرق سے بہتر ہے۔مگر یہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ گرچہ امام ابوداؤد نے مجہول راوی کا نام نہیں لیا ہے۔تاہم ابن ماجہ اور



حافظ بن حجر عسقلانی کی تقریب التہذیب کے مطالعہ سے راوی کے نام کا تعین ہوجاتا ہے۔ابن ماجہ کی روایت کے رواۃ میں تیسرے راوی جس پر راقم الحروف نے خط کھینچ دیا ہے یعنی[1] صالح بن حسان یہی وہ راوی ہے جس کا نام ابوداؤد میں نہیں لیا گیا ہے۔یہاں تحقیقی طور پر مولانا عظیم آبادی کی بہ نسبت علامہ ناصر الدین البانی کی وہ رائے صحیح ہے جو انھوں نے اپنی کتاب "**سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ**" جلد دوم، ص ۱۴۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت میں درج کی ہے۔انھوں نے ارواء الغلیل میں بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ابوداؤد میں جو راوی مجہول ہے وہ ابن ماجہ کا راوی صالح بن حسان ہے۔حافظ ابن حجر نے تقریب میں یہ وضاحت کی ہے کہ "**صالح بن حسان النضری ابو الحارث المدنی نزیل البصرۃ**" اس صراحت کے بعد جہالت راوی کی بات ختم ہوجاتی ہے البتہ حافظ بن حجر نے اس کے سلسلے میں ''متروک'' کا قول بھی نقل کیا ہے لہٰذا اسنادی لحاظ سے کچھ نہ کچھ ضعف تو ہے، لیکن معنوی طور پر روایت صحیح ہے۔تعدد طرق کے پیش نظر سندا بھی درجہ حسن کی روایت ہے، جیسا کہ خود حافظ ''ابن حجرؒ نے تائیداً، بلوغ المرام'' میں تحریر کیا ہے۔

روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود، معنوی طور پر کس طرح صحیح ہوسکتی ہے۔اس کی مثال، میں اپنے غیر مقلد دوستوں کے گھر سے ہی دینا چاہوں گا۔فتاویٰ علماء حدیث جلد اوّل کتاب الطہارت ص ۴۴ میں ایک صاحب نے سوال کیا تھا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت میں حدیث پیش کریں۔اس کے جواب میں مولانا حافظ محمد صاحب نے ترمذی کی یہ روایت پیش کی کہ "**یا عمر لاتبل قائما**" (یہ روایت ترمذی ص ۲۸، اور ابن ماجہ ص ۲۶ پر موجود ہے۔عبدالحمید) حافظ محمد صاحب کے بقول ''یہ روایت ضعیف ہے'' پھر بھی انھوں نے اسے قابل استدلال سمجھا۔اس کی تشریح میں مولانا علی محمد سعیدی خانیوال پاکستان فرماتے ہیں:

''حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فعلی حدیث قولی حدیث

---

[1] مستدرک للحاکم میں صالح بن حسان کے بجائے صالح بن حبان ہے۔یہ تصحیف ہے۔اسی طرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح بخاری عمدۃ القاری جلد ۲۲ میں صالح بن کیسان ہے، یہ سہو ہے۔ صالح بن کیسان متفق علیہ ثقہ راوی ہیں جبکہ صالح بن حسان متکلم فیہ اور ضعیف راوی ہے۔

کی مؤید ہے، لہٰذا حدیث حضرتُ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنداً ضعیف ہے اور معناً صحیح ہے۔
فافہم وتدبر (۲-۱-۷۲)

اسی فتاویٰ علماء حدیث میں مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیثیں جواز اور فضیلت ثابت کرسکتی ہے[1] (ہیں) عدم جواز نہیں کرسکتے۔ (سکتیں)[2]

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں "جس طرح ضعیف حدیثوں سے دُعا ہاتھ اُٹھا کر مانگنی ثابت ہے اسی طرح اذان وضو کے ساتھ کہنا بھی مان لیں تو مستحب ہی ثابت ہوگی۔"

(فتاویٰ علماء حدیث، ج ا، ص ٦٦، مطبوعہ مکتبہ مولانا ثناء اللہ امرتسری اکیڈمی، دہلی ۱۹۸۷ء)

ہم بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے ہیں۔ اگر ہمارے غیر مقلد دوست نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے استحباب و جواز ہی کو تسلیم کرلیں تو خواہ مخواہ کا تنازعہ اور انتشار ختم ہوجائے گا۔ اگر وہ قدیم غیر مقلد علماء ہی کے موقف پر قائم رہتے تو برصغیر کی حد تک تو کم از کم کوئی نیا تنازعہ وفتنہ نہ کھڑا ہوتا۔ لیکن ان کی نظر اب نظریہ واصول سے زیادہ شیخ ابن باز اور شیخ عثیمین کی نظر عنایت پر ہے۔

اس سلسلے میں شیخ ابن باز کا فتویٰ یہ ہے:

"میری اپنی معلومات کی حد تک فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا ثبوت نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ صحابہ کرام سے۔ فرض نماز کے بعد جو لوگ ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگتے ہیں، ان کا یہ فعل بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "**من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد.**" (رواہ مسلم) ہمارے معمول کے خلاف جس نے عمل کیا اس کا عمل مردود اور ناقابل قبول ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا "**من احدث فی امرنا هذا ماليس منه فهو رد**" متفق علیہ۔ جس نے دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔" (الدعوۃ ۲۳ محرم ۱۴۱۰ھ)

شیخ عثیمین کے فتوے کے الفاظ یہ ہیں:

"نماز کے بعد کی اجتماعی دُعا ایسی بدعت ہے کہ اس کا ثبوت نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] [2] یہ کتابت کی غلطی لگتی ہے کہ "ہیں" اور "سکتیں" کی جگہ "ہے" اور "سکتے" ہوگیا ہے۔



سے ہے اور نہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔ مصلیان کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اللہ کا ذکر کریں، اور ہر آدمی انفرادی طور پر ذکر کرے اور ذکر وہ ہو، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے۔" (فتاویٰ عثیمین ص ۱۲۰، دُعا کے آداب واحکام ص ۸۰ تا ۸۱)

لہٰذا غیر مقلد علماء کے لیے حالات وزمانے پر نظر رکھتے ہوئے ضروری ہوگیا کہ وہ نماز کے بعد اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو بدعت اور قابل ترک قرار دیں۔

لیکن حضرت عبداللہ بن عباس والی روایت جو ابوداؤد، ابن ماجہ اور مستدرک میں پائی جاتی ہے، اس کے تمام پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے اور چہرے پر ہاتھوں کو پھیر لینے کا استحباب ثابت ہوجاتا ہے۔ مزید یہ کہ شیخ نے روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

**قال الشيخ حديث صحيح** ۔ (كذافی العزیزی، ج ۳، ص ۳۱۷ نیز اعلاء السنن ج ۳، ص ۱۷)

علامہ ناصر الدین البانیؒ بھی چونکہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے خلاف ہیں اس لیے انھوں نے اور تو کچھ نہیں البتہ یہ تحریر کیا ہے کہ (ابوداؤد، ابن ماجہ اور مستدرک کی) "روایت میں **فامسحوا بهما وجوهكم** کی زیادتی کا کوئی شاہد نہیں ہے۔" (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج ۲، ص ۱۴۴) بہت سے قرائن وشواہد کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ اس تبصرے کا کوئی زیادہ وزن نہیں رہ جاتا ہے، جب ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کی حد تک روایت قابل تسلیم ہے، جو ہماری بحث کا اصل مقصد ہے تو چہرے پر ہاتھ پھیر لینے کا مزید کوئی شاہد نہ ملنے سے، ظاہر ہے کہ اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ جب ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ثابت ہے تو ان کا چہرے پر پھیر لینا ویسے بھی ثابت ہوجاتا ہے، جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اُٹھا کر دُعا نہیں کرتے تھے تو چہرۂ مبارک پر ہاتھ بھی نہیں پھیرتے تھے، یہ قید حسن ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز، طواف وغیرہ میں کثرت سے دُعاء ماثورہ پڑھتے تھے، نماز کے بعد سوتے وقت اور کھانے وغیرہ کے بعد جب ہاتھ اُٹھا کر دُعا نہیں کرتے تھے تو ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے بھی نہیں تھے۔

(بذل المجہود ج ۷، ص ۳۴۱ کتاب الصلوۃ باب الدعاء)

(۴) اس وضاحت کے ساتھ ابوداؤد کی وہ روایت بھی قابل ملاحظہ ہے جو سائب ابن یزید عن ابیہ کے واسطے سے مروی ہے۔روایت یہ ہے۔

**حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ابن لهيعه عن حفص بن هاشم ابن عتبه بن ابی وقاص عن السائب بن يزيد عن ابيه ان النبی ﷺ كان اذادعا فرفع يديه ومسح وجهه بيديه۔** (ابو داؤد كتاب الصلوٰة باب الدعاء)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگتے تو (آخر میں) اپنے ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔

اس روایت کو امام بیہقی نے دعوات کبیر میں بھی نقل کیا ہے۔

اس روایت پر امام ابوداؤد نے کوئی تبصرہ یا تجریح نہیں کی ہے بلکہ سکوت فرمایا ہے اور علم حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جس حدیث پر وہ سکوت فرماتے ہیں، وہ ان کے نزدیک قابل استدلال ہوتی ہے۔کبھی کبھار ان روایات پر بھی سکوت فرمالیتے ہیں اور گوارہ کر لیتے ہیں جن کی سند میں معمولی ضعف ہوتا ہے۔

حافظ ذہبی کی تشریح کے مطابق ابوداؤد میں نصف احادیث تو وہ ہیں جن کی تخریج شیخینؒ (بخاری ومسلم) نے بھی کی ہے اور بعض احادیث وہ ہیں جن کی تخریج شیخین نے تو نہیں کی ہے لیکن ان دونوں کی شرط کے مطابق ہیں۔یا دونوں میں سے ایک کے مطابق، اور بعض احادیث وہ ہیں جن کے کسی راوی میں حافظہ کی کمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح کے مرتبہ سے اُتر کر حسن میں داخل ہوگئی ہیں۔ان تینوں اقسام پر امام ابوداؤد عموماً سکوت فرماتے ہیں۔تفصیلات شذرات، تذکرۃ الحفاظ للذہبی اور وفیات الاعیان لابن خلکان میں دیکھیں۔

حضرت سائب بن یزید والی روایت کو چاہے، جس قسم میں رکھا جائے گا اس سے بہر حال جواز واستحباب ثابت ہو ہی جاتا ہے۔امام ابوداؤد نے بذاتِ خود فرمایا ''میں نے یہ کتاب پانچ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر لکھی ہے اس کی تمام روایت صحیح یا صحیح کے قریب ہیں۔'' لہٰذا سائب بن یزید والی زیر بحث روایت کو کم از کم امام ابوداؤد کے نزدیک صحیح کے قریب قریب تسلیم کرنا ہوگا۔



کچھ حضرات روایت کے ایک راوی عبداللہ بن لہیعہ اور دوسرے راوی حفص بن ہاشم کو لے کر کلام کرتے ہیں۔مثلاً مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ کا کہنا ہے کہ اس روایت کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ضعیف ہیں۔(عون المعبود ج۱،ص۳۶۰) حفص بن ہاشم کے بارے میں حافظ نورالدین ہیثمی، حافظ بن حجر اور حافظ ذہبی کہتے ہیں مجہول ہے۔(مجمع الزوائد ج۱۰، ص۱۶۹،تقریب ج۸،ص۱۸۹،مرعاۃ المفاتیح ج۳،ص۴۰۹،میزان الاعتدال جلد دوم ذکر حفص بن ہاشم)

اس کے باوجود ناقدینِ رجال اور قواعد اصول حدیث کے پیش نظر استحباب وفضیلت کے اثبات میں کوئی چیز مانع ومزاحم نہیں ہے۔اصل مسئلے کے اثبات و جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔حافظ ہیثمی، حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی سمیت، مولانا عظیم آبادی سب کے سب ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کے جواز کے قائل ہیں۔گرچہ عبداللہ بن لہیعہ مصری کے ضعیف ہونے کے باوجود ہمارا مدعا ثابت ہوجاتا ہے مثلاً مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ابن لہیعہ کو ضعیف مانتے ہیں (دیکھئے ابکار المنن فی تنقید آثار السنن ص۴۷تا۷۷) لیکن نماز کے بعد دعا اور اس کے لیے ہاتھ اُٹھانے کو جائز و ثابت مانتے ہیں۔(دیکھئے تحفۃ الاحوذی ج۱،ص۲۴۴، ج۲،ص۲۱۲) تاہم صرف قول تجریح پر اکتفا کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ ائمہ وناقدین رجال نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔حافظ ابن حجر نے تہذیب اور تقریب میں ابن لہیعہ کے بارے میں خاصی تفصیل دی ہے۔یہ ان رواۃ میں سے ہیں جن کے بارے میں تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔دونوں طرح کے موافق ومخالف اقوال کی روشنی میں عبداللہ بن لہیعہ مصری کی مرویات کو فضائل وآداب میں قابل قبول مانا جاسکتا ہے۔اس سلسلے میں ہمیں مولانا یوسف کاندھلوی اور مولانا ظفر عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کی رائے محتاط معلوم ہوتی ہے کہ ابن لہیعہ ضعیف الحدیث نہیں بلکہ حسن الحدیث ہیں[1] اور ان کی یہ رائے اصولِ حدیث کے اس قاعدے کے مطابق ہے کہ جب کسی راوی کے بارے میں ناقدین رجال کی آراء مختلف ہوجائیں تو اسے درجہ حسن کا (چاہے وہ حسن لغیرہ ہو) مانا جائے گا۔علاوہ جورقانی کی کتاب کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح میں تین مقامات پر ابن لہیعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔دو جگہ جلد اول میں اور ایک جگہ جلد ثانی میں۔صاحبِ کتاب الاباطیل تجریح رواۃ میں متشدد ہیں۔اس کے باوجود انھوں نے ابن لہیعہ کو

---

[1] اعلام السنن، ج۳،ص۱۶۶، وج۷،ص۲۱۹، حیاۃ الصحابہ، جلد سوم، باب الدعاء)

ضعیف ہی قرار دیا ہے۔ موجودہ دور میں موضوعات پر بہت سی کتابیں شائع ہوکر منظر عام پر آ گئی ہیں۔ ان کی مدد سے غیر مقلد علماء معانی حدیث پر غور کیے بغیر تنقیدی و تجریحی اقوال کے ڈنڈے بے تکان گھما دیتے ہیں اور ان ناقدین کے تجریحی اقوال کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو تجریح و تنقیدِ رواۃ میں متشدد ہیں۔ مثلاً ابن الجوزی وغیرہ، اور یہ بہت کم کوشش کی جاتی ہے کہ توثیق و تجریح دونوں کو بیک وقت مدنظر رکھتے ہوئے معانی حدیث اور اصول شرعیہ کے مطابق کوئی فیصلہ کیا جائے۔ اور یہ بھی بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ روایات کا تعلق کس نوعیت کے مسائل و امور سے ہے۔ عقائد، یا حلال و حرام کے امور و معاملات کی بات ہو تب تو یقیناً بالکل صحیح روایات ہی قابلِ قبول ہوں گی۔ لیکن فضائل و آداب کے باب میں صحیح روایات کی عدم موجودگی میں ضعیف روایات قابل قبول ہیں۔ اور عبداللہ بن لہیعہ کی رویت کا ظاہر ہے کہ آداب و فضائل سے ہی تعلق ہے اور وہ کسی صحیح رویت کے خلاف بھی نہیں ہے۔ نیز یہ کہ وہ اصول شرعیہ کے تحت آتی ہے۔

عبداللہ بن لہیعہ کے ضعف کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے جس کتاب میں اپنی مرویات جمع کی تھیں، وہ جل گئی، جس کی وجہ سے زبانی روایات میں خلط ملط ہو جاتا۔ اس سے قبل ان کی روایات قابلِ اعتماد سمجھی جاتی تھیں، جیسا کہ قتیبہ کے حوالے سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں تحریر کیا ہے۔ مزید حافظ صاحب نے جو دیگر تفصیلات دی ہیں، ان کے پیش نظر ابن لہیعہ کی وہ حیثیت نہیں رہتی ہے جو، کچھ حضرات بتاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے تقریب میں لکھا ہے۔

**عبدالله بن لهيعه بفتح اللام و كسر الهاء ابن عقبة الحضرمى ابوعبدالرحمن المصرى القاضى صدوق من السابعه خلط بعد احتراق كتبه وروايةابن المبارك و ابن عنه اعدل من غيرهما وله فى مسلم بعض شئى مقرون.** (تقریب ج۱، ص۴۴۴)

تہذیب میں مزید وضاحتی بیان ملتا ہے:

**"وروى له مسلم مقرونا بعمرو بن الحارث وروى البخارى فى الفتن من صحيحه عن المقرى عن حيوة وغيره عن ابى الاسود قال قطع على**



**المدينة بث الحديث عن عكرمة عن ابن عباس وروى فى الاعتصام وفى تفسيره النساء فى آخر الطلاق وفى عدة مواضع هذا مقرونا ولايسميه وهو ابن لهيعه لاشك فيه، وروى النسائى احاديث كثيرة من حديث ابن وهب وغيره يقول فيها عن عمرو بن الحارث روى له الباقون و قلت قال الحاكم استشهد به مسلم فى موضعين وحكى الساجى عن احمد بن صالح كان ابن لهيعه من الثقات."** (تہذیب ج۵، ص۳۷۳ تا ۳۷۹)

اس کے ساتھ ساتھ ابن شاہین نے اپنی کتاب تاریخ اسماء الثقات میں میں ابن لہیعہ کا نام درج کیا ہے۔ امام ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں لکھا ہے کہ ابن لہیعہ کا آخر عمر میں حافظہ کمزور اور خلط ملط ہو گیا تھا۔ اس کے پیش نظر جب تک یہ ثابت نہیں ہو جاتا ہے کہ متعلقہ روایت ابن لہیعہ کے حافظہ کے خلط ملط ہو جانے یا کتب کے جل جانے کے بعد کی ہے، تب تک روایت کو ناقابل اعتماد و استدلال نہیں کہا جا سکتا ہے، نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ابن حبان نے اعتراف تدلیس کے ساتھ ابن لہیعہ کو صالح قرار دیا ہے۔ (المجروحین ج۲، ص۱۱، ابکار المنن ص۲۷ مطبوعہ ادارۃ البحوث الاسلامیہ بنارس ۱۹۹۰ء)

ان مذکورہ تمام تفصیلات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان سے مروی روایات سے کسی واقعے کی تعین اور کسی امر کے استحباب و جواز کے اثبات میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ابن لہیعہ کا سبب تضعیف ان کی کتابوں کا جل جانا ہے۔ زبانی بیانِ روایت میں کچھ اِدھر اُدھر ہو جانا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ گرچہ کچھ حضرات مثلاً محمد بن یحییٰ بن حسان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں

---

(۶) عبداللہ بن لہیعہ کے سلسلے میں تفصیلات کے لیے دیکھئے: ابوزعة الرازى وجهوده فى السنة النبوية جلد دوم، ص۳۴۵، الجرح و التعديل لابن ابى حاتم جلد دوم/ق/۲/۱۴۶. التاريخ الصغير للبخارى. تهذيب التهذيب، جلد دوم، ص۳۷۶. شرح العلل لابن رجب، ص۱۳۷. الترغيب والترهيب، جلد ۴، ص۴۷۳. كتاب المعرفة والتاريخ ليعقوب بن سفيان، ج۲، ص۱۸۴. التعليق الحسن على آثار السنن للشوق نيموى. حصه اوّل، ص۹)

نے ہشیم کے بعد ابن لہیعہ سے زیادہ قوی الحافظہ نہیں دیکھا (**مارأیت احفظ من ابن لہیعة بعد هشیم**)

اب ظاہر ہے کہ کتابیں جل جانے سے کوئی آدمی اتنا تو ضعیف نہیں ہوجائے گا کہ فضائل واستحباب اور آداب کے تعلق سے بھی روایات نا قابل قبول ہوجائیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لگے ہاتھوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے اور ان کو چہرے پر پھیر لینے کے تعلق سے اس غلط فہمی کو دُور کردیا جائے، جو علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے تبصرے سے پیدا ہوگئی ہے۔ انھوں نے **العلل المتناهية في الاحاديث الواهية** کتاب الدعاء میں صالح بن حسان عن محمد بن کعب عن ابن عباس وابن عمر کی روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ اور آگے لکھا ہے "**وقال احمد بن حنبل لايعرف هذا انه كان يمسح وجهه بعد الدعاء الاعن الحسن.**"

سابقہ بحث وتفصیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے مزید یہ بھی ملاحظہ کیجیے:

"**وفي الباب حديث يزيد بن سعيد الكندي اخرجه الطبراني في الكبير، قال الحافظ في الامالي وفيه ابن لهيعة وشخصه' مجهول لكن لهذا الحديث شاهد الموصولين والمرسل ومجموع ذلك يدل على ان للحديث اصلاً ويؤيده أيضا عن الحسن البصري باسناد حسن وفيه رد على من زعم أن العمل بدعة، واخرج البخاري في الادب المفرد (ص ٩٠) عن وهب بن كيسان قال رأيت ابن عمرو ابن الزبير يدعو ان فيديران الراحتين على الوجهين وهذا موقوف صحيح قوى به الرد على من كره ذلك.**" (تعليق على العلل المتناهية، ج ٢، ص ٣٥٧، مطبوعه ادارة العلوم الاثريه فيصل آباد، پاکستان، سنه اشاعت ندارد)

یہ نقد وجواب میرا نہیں بلکہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق اثری کا ہے، جنھوں نے علامہ ابن الجوزی کی **العلل المتناهية وفي الاحاديث الواهية** پر علمی تحقیق وتعلیق تحریر کرکے اسے مکتبہ اثریہ سے شائع کیا ہے۔ مولانا اثری نے کس زوردار انداز میں لکھا ہے کہ "ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے سے متعلق روایت کی اصل ضرور ہے، جس کی تائید وتقویت



حسن بصری باسناد حسن اور وہب بن کیسان کی صحیح موقوف روایات سے ہوتی ہے۔ یہ ان لوگوں پر رد ہے جو ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو بدعت اور ناپسندیدہ فعل سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن عمر اور ابن زبیر کی موقوف صحیح روایت سے رد میں مزید تقویت آجاتی ہے۔"

اس وضاحت کے بعد حفص بن ہاشم کی مجہولیت حدیث کے متن ومعنی پر اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے، کیوں کہ دیگر روایات اور شواہد وقرائن، صحت معنی کے مؤید ہیں۔

(۵) پانچویں روایت وہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے حوالے سے مختلف کتب حدیث میں آتی ہے۔ روایت اطلاع دیتی ہے کہ محمد بن ابی یحییٰ اسلمی نے کہا۔ "میں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کو دیکھا کہ انھوں نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے قبل ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوگیا تو انھوں نے اس شخص سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دُعا کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے جب تک کہ نماز سے فارغ نہ ہوجاتے تھے۔" روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

**عن محمد بن ابی[1] یحیی الاسلمی قال رأیت عبدالله بن الزبیر رأی رجلا رافعاً یدیه یدعو قبل ان یفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال له ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته۔**

(مجمع الزوائد للهيثمي، ج ١٠، ص ١٦٩)

یہ روایت حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے طبرانی کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس کے رجال کے بارے میں فیصلہ کیا ہے "**ورجاله ثقات**" (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں) جلال الدین سیوطیؒ کی "**فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء**" محمد بن عبدالرحمٰن زبیدی یمانی کی "**رفع الیدین فی الدعاء**" اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی اعلاء السنن جلد سوم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اس روایت کے سلسلے میں عدم جواز کے قائلین نے کوئی زیادہ قابل توجہ بحث وکلام نہیں کیا ہے۔ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ حافظ ہیثمی تعدیل رجال میں متساہل تھے، ظاہر ہے روایت پر کوئی علمی کلام کے بجائے چلتے چلاتے انداز میں کچھ کہہ دینا کوئی زیادہ قابل توجہ

[1] اعلاء السنن میں "ابی" کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔

نہیں ہوسکتا ہے۔تساہل کی بات زیادہ سے زیادہ اسی حد تک قابل تسلیم ہوسکتی ہے جس حد تک امام ترمذی کے بارے میں۔ چاہے جس قدر کلام کیا جائے یہ روایت دُعا کے استحباب و جواز کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

**(۶) چھٹی حدیث** فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کے سلسلے میں بالکل صریح ہے۔ یہ حدیث مختلف کتب میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے آئی ہے۔ روایت یہ ہے:

**"اسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف و رفع یدیه و دعا."**

یعنی اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو پیچھے مُڑے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔

اس روایت کو راقم الحروف ایک مستقل نمبر کے تحت مستدل بنانے میں متذبذب ہے۔ تذبذب کی وجہ یہ ہے کہ جن اہل علم حضرات نے فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں اس روایت کو مستدل بنایا ہے۔ انھوں نے اس روایت کو مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ لیکن ہمارے پاس مصنف ابن ابی شیبہ کا جو نسخہ ہے وہ الدار السلفیہ بمبئی سے جناب مولانا مختار احمد ندوی کے زیر نگرانی شائع ہوا ہے۔ مکمل ۱۵ جلدیں ہیں۔ ان میں سے کسی جلد میں متعلقہ روایت ہمیں نہیں ملی، جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ مکمل ہے۔ آخر یہ کیا معمہ ہے۔ اس روایت کا حوالہ جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ محمد بن عبدالرحمٰن زبیدی یمانیؒ نے بھی بالترتیب 'فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء' اور "رفع الیدین فی الدعاء" میں دیا ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی اعلاء السنن کتاب الصلوٰۃ (باب الانحراف بعد السلام و کیفیته و سنیة الدعاء والذکر بعد الصلوٰۃ) میں یہ روایت نقل کی ہے اور صاف طور پر لکھا ہے: "ویقویه ما اخرجه الحافظ ابوبکر ابن ابی شیبة فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیه." (اعلاء السنن، ج ۳، ص ۱۶۴) اسی کے حوالے سے ایک وسیع النظر حنفی عالم مولانا صوفی عبدالحمید سواتی گوجرانوالہ نے اپنی کتاب نماز مسنون ص ۱۰۴ پر نقل کیا ہے۔



غیر مقلد علماء میں، مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ نذیریہ ص ۲۴۵، ۲۶۵، اور ۳۵۲ پر مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد صادق سیالکوٹی نے صلوٰۃ الرسول اور شیخ محی الدین نے البلاغ المبین میں یہ روایت نقل کی ہے۔ اور سبھوں نے مصنف ابن ابی شیبہ ہی کا حوالہ دیا ہے۔ آخر یہ کیا چکر ہے؟ یہ اہل علم و تحقیق کے لیے توجہ کا متقاضی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ الدار السلفیہ والے نسخے میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ صاحب صلاۃ الرسول اور شیخ محی الدین کے بارے میں تو اعتماد و وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا تحقیقی معیار کوئی زیادہ اونچا نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا بہت سے مسائل میں اختلاف کے باوجود بہت زیادہ احترام کرتا ہوں، اور ان کے وسیع المطالعہ (خاص طور سے علم حدیث کے تعلق سے) ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ کوئی بے تحقیق روایت نقل نہیں کرسکتے ہیں۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی، وسیع النظری اور مایہ ناز محقق ہونے میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہوسکتی ہے۔ اس پر احکام القرآن، اعلاء السنن، امداد الاحکام وغیرہ کتابیں شاہد عدل ہیں۔

پھر ان دونوں سے قبل مذکورہ دونوں متقدمین میں سے علامہ سیوطی و علامہ یمانی محدث و عالم، غالب گمان یہ ہے کہ ان اہل علم بزرگوں کے پاس مصنف ابن ابی شیبہ کا کوئی اور نسخہ رہا ہو، جس میں متعلقہ روایت موجود تھی، یا یہ ہوسکتا ہے کہ حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ کی کسی دوسری کتاب میں مثلاً المسند بالاحکام میں یہ روایت زیر بحث و گفتگو رہی ہو۔ بہر حال جو بھی واقعی صورت حال رہی ہو۔ اہل علم و تحقیق کے لیے تلاش و تحقیق کا موضوع ہے۔ فی الحال تو معاملہ کچھ یقینی سا نہیں، بلکہ بڑی حد تک مشکوک ہے۔ اگر بات ضعیف روایت تک محدود ہوتی تو بھی مسئلہ صاف ہوجاتا۔ فی الحال تو مسئلہ ثبوت کا ہے۔ اگر ہمارے سامنے دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کا ایڈیشن ہوتا تو کوئی فیصلہ کیا جاسکتا تھا۔ مولانا ابوالوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی مصنف ابن ابی شیبہ شائع ہو رہی تھی، کچھ جلدیں شائع ہوئی تھیں، بقیہ جلدوں کا کیا ہوا، ہمارے علم میں نہیں ہے۔

دوسری مختلف کتب حدیث میں اسود العامری کے حوالے سے جو مختلف طرق سے روایت پائی جاتی ہے، اس میں "رفع یدیہ و دعا" کا اضافہ نہیں ملتا ہے "کلمہ انحرف" پر

روایت ختم ہوجاتی ہے۔ مثلاً ابوداؤد باب الامام یتحرف بعد التسلیم، سنن بیہقی باب الامام یتحرف بعد السلام نیز سنن نسائی باب الانحراف بعد التسلیم میں یہ روایت اس طرح ہے:

**یحییٰ عن سفیان حدثنی یعلیٰ بن عطا عن جابر بن یزید بن الاسود عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ الصبح فلما سلم انحرف ۔**

مستدرک، مصنف عبدالرزاق، ترمذی، دارقطنی وغیرہ میں بھی فجر یا صبح کی نماز، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کرنا مروی ہے، یہاں بھی ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ "**باب من کان یستحب اذا سلم ان یقوم و ینحرف**" کے تحت اسود العامری کی اپنے والد ماجد سے روایت نقل کی گئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ذکر ہے، وہ کون سی نماز تھی۔ روایت میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ یہ روایت بھی "**فلما سلم انحرف**" پر ختم ہوجاتی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دیگر روایتوں کے پیش نظر کسی صاحب نے اس روایت میں حذف سے کام لیا ہو۔ جس میں رسول پاکؐ کے فجر کی نماز ادا کرنے کا ذکر ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی تھی۔ یہ ''شوق تصحیح'' سے کوئی بعید از امکان نہیں ہے۔

(۷) ساتویں حدیث حضرت فضل بن عباسؓ کے حوالے سے مختلف کتب میں نقل کی گئی ہے۔ اس سے بھی ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے، پوری سند کے ساتھ روایت یہ ہے:

"**حدثنا علی بن اسحاق اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا لیث بن سعد حدثنا عبداللہ بن نافع بن العمیاء عن ربیعہ بن الحارث عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ تشہد فی کل رکعتین و تضرع و تخشع و تسکن ثم تقنع یدک یقول ترفعھما الیٰ ربک مستقبلاً ببطونھما وجھک.**" (رواہ الترمذی والنسائی)

یہ روایت گرچہ فرض نماز سے متعلق نہیں ہے، تاہم اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ آدمی خشوع وخضوع سے نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر اس سے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اس



انداز میں دُعا مانگے کہ ہتھیلی کا اندرونی حصّہ چہرے کے سامنے ہو۔

جو لوگ فہم حدیث اور منشار سول پر توجہ دینے کے بجائے صرف روایت حدیث اور اس کے الفاظ پر نظر رکھتے ہیں وہ یہ کٹ حجتی ضرور کریں گے کہ روایت میں فرض نماز کا ذکر نہیں ہے، لیکن جو لوگ فہم حدیث اور معانیٔ حدیث پر بھی نظر رکھتے ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی عمل صالح کے موقع پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ اجابت وقبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب غیر فرض نمازوں میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں تو فرض نمازوں کے بعد جو، ان سے افضل اور زیادہ اہم ہیں، ممانعت دعا کی کیا علت ہوسکتی ہے؟ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے سے تعلق باللہ، فقر و عاجزی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ اس کی ممانعت وقباحت اسلامی شریعت کے کسی ضابطے، اصول کے تحت نہیں آتی ہے۔ غالباً عدم جواز کے قائلین کو اس بات کا احساس واندازہ ہے کہ روایت ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے وہ اپنا پرانا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے روایت کو ناقابل استدلال واحتجاج بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ یا شقیں نکال کر مشکوک بنانا چاہتے ہیں، یعنی کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اور سبب تضعیف روایت میں خط کشیدہ راوی عبداللہ بن نافع بن العمیاء کا ہونا ہے۔

عبداللہ بن نافع بن العمیاء کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب (ج ۱، ص ۴۵۶) میں مجھول من الثالثۃ لکھا ہے۔ تہذیب میں مزید تفصیل دی ہے۔

**عبداللہ بن نافع بن العمیاء عن ربیعۃ بن الحارث و قیل عبداللہ بن الحارث وقیل عن عبدالمطلب بن ربیعہ وعنہ انس بن ابی انس وقیل عمران بن ابی انس و ابن لہیعۃ. قال ابن المدینی مجھول وقال البخاری لم یصح حدیثہ و ذکرہ ابن حبان فی الثقات.** (تہذیب التہذیب، ج ۶، ص ۵۰-۵۱)

لیکن یہ بات ادھوری ہے، پوری تفصیلات کو سامنے رکھنے کے بعد فضل بن عباس والی روایت بھی آداب وفضائل کی حد تک تو قابل اعتبار واستدلال ہوجاتی ہے اور واقعی صورت حال وہ نہیں ہے جو عدم جواز کے قائلین باور کرانے کی سعی کرتے ہیں۔ یہ بات تو تہذیب سے نقل کردہ حوالے ہی سے صاف ہوجاتی ہے کہ عبداللہ بن نافع بن العمیاء بالکل مجھول

نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک راوی اگر ایک محدث کے نزدیک یا اس کے علم کی حد تک مجہول ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرے محدثین وناقدین رجال کے نزدیک اور ان کے علم کے اعتبار سے بھی مجہول ہی ہو۔ مثلاً ابن المدینی کے نزدیک عبداللہ بن نافع بن العمیاء مجہول ہے لیکن امام ابن حبان کے نزدیک ان کا شمار ثقات میں ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ راوی کی مجہولیت ختم ہو جاتی ہے اور روایت ضعیف کے بجائے حسن ہو جائے گی۔

کچھ غیر مقلد علماء ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کی تجریح پا کر بہت خوش ہیں کہ ہم نے بہت بڑا قلعہ فتح کر لیا۔ اور روایت کو ناقابل اعتبار و استدلال ثابت کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی منفی سوچ کا نتیجہ ہے۔ اگر سوچ متوازن ہوتی تو اختلاف آراء کی صورت میں مسئلے کے اس پہلو کو ترجیح دیتے جو اصول شرعیہ کے تحت، خدا سے دُعاء، اظہار تواضع واحتیاج کے زیادہ قریب ہے۔

امام شافعی نے عبداللہ بن نافع کی تعریف وتحسین کے ساتھ دو تین حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ امام ابوحاتم نے ان کی کتاب کو اصح قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل جلد ۲/ق ۲/۱۸۴ق) امام نسائی جیسے سخت ناقد نے ایک بار **لیس بہ بأس** اور ایک بار ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۶،ص۵۱ - میزان الاعتدال ج۲،ص۵۱۳)

رہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات **لم یصح حدیثہ**، تو یہ ان کے اعلیٰ معیار کے اعتبار سے ہے۔ راوی کی مجہولیت کی وجہ سے نہیں بلکہ حافظہ میں کچھ کمزوری کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ تہذیب میں نقل کردہ ان کے قول ''فی حفظہ شئی'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان سے روایت کرنے والے عمران ثقہ ہیں۔ یہ ان سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ عبداللہ بن لہیعہ نے بھی روایت کی ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج۶،ص۵۰) جب دو راوی کسی سے روایت حدیث کریں تو محدثین کے نزدیک اس کی مجہولیت ختم ہو جاتی ہے اور روایت سے احتجاج واستدلال صحیح ہو جاتا ہے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر ہی ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابن خزیمہ نیز امام منذری نے الترغیب والترہیب میں متعلقہ روایت کو نقل کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بھی اس



روایت پر سوچا جا سکتا ہے کہ قرون ثلاثہ کی مجہولیت راوی خصوصاً آداب وفضائل کے سلسلے میں مضر نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت جھوٹ وغیرہ کی اتنی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ خاص طور سے احناف کے یہاں قرونِ ثلاثہ کی مجہولیتِ راوی مضر نہیں ہے۔

کچھ حضرات یہ شوشہ اور بے تکا نکتہ اُچھالتے ہیں کہ روایت کا فرض نماز کے بعد کی دُعا سے معنوی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صلاۃ اللیل وغیرہ سے متعلق ہے۔ یہ راہِ فرار کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ جب کہ مدار استدلال نفس نماز ہے کہ اس کے بعد ہاتھ اُٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابوالطیب سندھی مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ترمذی میں وضاحت سے تحریر کیا ہے۔ وہ حدیث کا معنی اس طرح بتاتے ہیں۔

**''ای ترفع یدیک بعد الصلوٰۃ الدعاء وھو معطوف علی محذوف ای اذا فرغت فسلم وارفع یدیک بعدھا سائلاً حاجتک۔''**

(ج۱،ص۳۷۹، اعلاء السنن، ج۳،ص۱۶۵)

حضرت تھانوی اقدس سرہٗ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب **التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف** ص۲۲ پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے ''حدیث نماز میں خشوع کی مطلوبیت اور نماز کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ صلحاء اور نمازیوں کا معمول رہا ہے نہ کہ نماز ہیں''۔ یہی بات ابن العربی نے بھی کہی ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع کے تعلق سے تمام دیگر روایتوں کے ساتھ زیر بحث وگفتگو روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خشوع وخضوع ہر نماز میں مطلوب ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنے کی بات بھی آتی ہے۔ لہٰذا بغیر کسی دلیل کے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص صحیح نہیں ہے۔ ہر نماز کے بعد، خاص طور سے سب سے اہم نماز، فرض کے بعد، ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا مستحب ومسنون ہوگا۔

(۸) آٹھویں روایت ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں وہ ہے جسے امام نسائی کے شاگرد ابن سنیؒ نے حضرت انسؓ سے **عمل الیوم واللیلۃ** میں نقل کیا ہے:

**''حدثنی احمد بن الحسن بن ادیبویہ حدثنا ابو یعقوب اسحق بن**

**خالد بن یزید الیاسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدالرحمن القرشی عن خصیف عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھی ابراھیم و اسحٰق و یعقوب الخ...... الا کان حقاً علی اللہ ان لایرد یدیہ خائبتین."**

(عمل الیوم واللیلۃ،ص ۴۸-۴۹، کنز العمال، ج ۲، ص ۸۴، مطبوعہ حیدرآباد)

یعنی جو بندہ ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دُعا کرتا ہے کہ ''خدایا جو میرا اللہ ہے اور ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا بھی اللہ ہے اور جبرئیل ومیکائیل واسرافیل کا بھی اللہ ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دُعا قبول فرما کیونکہ میں مجبور پریشان ہوں اور میری حفاظت فرما میرے دین میں کہ میں آزمائش میں ڈالا جاؤں، اور مجھے اپنی رحمت سے نواز کہ میں گنہگار ہوں، اور مجھ سے فقر دور کردے کہ میں مسکنت کا شکار ہوں'' تو اللہ تعالیٰ اس کے دونوں ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹائے گا۔

محدث ابن سنیؒ نے یہ روایت باب **مایقول فی دبر صلاۃ الصبح** کے ذیل میں نقل کی ہے۔ اس روایت میں دو راوی خصوصاً عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن پر کلام ہے۔ ائمہ ناقدین رجال نے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی پر عموماً تجریح کی ہے، البتہ دوسرے راوی خصیف کی تجریح کے ساتھ توثیق بھی کی گئی ہے ابن معین نے ان کو ایک بار ''**لیس بہ بأس**'' اور ایک بار ثقہ کہا ہے، ابوحاتم نے صالح قرار دیا ہے البتہ اختلاط اور سوءِ حفظ کی بات بھی کہی گئی ہے۔ امام نسائی سے ''لیس بالقوی'' کے ساتھ ''صالح'' بھی منقول ہے۔ ابن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ساجی نے ''صدوق'' قرار دیا ہے۔ یعقوب بن سفیان نے ''**لابأس بہ**'' کہا ہے۔ ابن حبان نے جہاں یہ نقل کیا ہے کہ کچھ ائمہ نے انھیں متروک قرار دیا ہے وہیں کچھ قابل حجت بھی سمجھتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود صدوق ہیں اور ان کی جن روایتوں کی ثقات نے موافقت کی ہے وہ قابل قبول ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کے بارے میں ''**صدوق سیئی الحفظ خلط آخرہ**'' کہا ہے۔

(دونوں راویوں کی تفصیلات کے لیے دیکھئے تقریب التھذیب ج ۱، ص ۲۲۴، تہذیب جلد ۳، ص ۱۴۴-۱۴۳، لسان المیزان ج ۴، ص ۳۴، میزان الاعتدال ج ۲، ص ۱۴۷)



متعلقہ روایت میں معنوی طور پر کوئی سقم نہیں ہے۔ دوسری حسن اور معمولی ضعیف روایتوں سے مل کر استدلال واستشہاد کے قابل ہوجاتی ہے۔ باعتبار سند کے یہ روایت، کسی اور روایت یا راوی کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ ممانعت دُعا اور عدم جواز کے سلسلے میں کوئی واضح صحیح اور مستند روایت ہے ہی نہیں۔ لہٰذا عدم جواز کے قائلین کے کچھ مفروضات اور بے بنیاد قیاس آرائیوں کے مقابلے میں تو، بہرحال روایت قابل ترجیح ہی ہوگی اور ضعیف سے ضعیف روایت بھی کسی کے ذاتی قیاس سے غنیمت ہی ہوگی۔

اور پھر امت اور صلحاوعلماء کرام کا عملی تواتر ہے۔ ہمیں تاریخ کے کسی مرحلے میں بھی ایسا دور نہیں ملتا ہے کہ امت نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کو بدعت اور غیر شرعی عمل سمجھ کر قابلِ ترک سمجھا ہو اور جب کسی ضعیف روایت کو امت کے عمل اور قبولیت کی تائید مل جائے تو وہ ضعیف نہیں رہ جاتی ہے۔ ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ ایسی صورت میں کسی روایت کی اسنادی کمزوری، عمل پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے۔ بہت سے اہل علم کی رائے کے مطابق عمل کرلینے سے بھی بات کسی حد تک قابل قبول ہوجاتی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی الجامع میں جو یہ فرمادیتے ہیں کہ ''ہٰذا الحدیث غریب ضعیف و العمل علیہ عند اہل العلم'' (یہ حدیث ہے تو غریب اور ضعیف مگر اہم علم کا اس پر عمل ہے) تو اس کا یہی مطلب ہے اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے پر خواص وعوام اور اہل علم سب کا ہمیشہ سے عمل رہا ہے، لہٰذا اس کے جواز واستحباب میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۹) نویں روایت وہ ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الدعوات، باب رفع الایدی فی الدعاء میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

**قال ابو موسیٰ دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورفع یدیہ و رأیت بیاض ابطیہ**[1] رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اور دونوں ہاتھوں کو اس حد تک اُٹھایا کہ میں نے آپ کے بغل کی سفیدی دیکھ لی۔

اسی باب میں امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کی ایک ایک

---

[1] **ھذا طرف من حدیثہ الطویل فی قصۃ قتل عمہ ابی عامر الاشعری وقدم موصولا فی المغازی فی غزوۃ حنین.**

روایت بھی نقل کی ہے۔دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کا صراحتاً ذکر ہے۔(رفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ وقال اللّٰھم)

ان تینوں روایتوں کی روشنی میں شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ج۱۱،ص۱۱۹ میں تحریر فرمایا ہے"حدیث اوّل (حضرت موسیٰ اشعری والی) میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ اٹھا کر صرف استسقاء میں دُعا کرنا چاہیے اور دوسری حدیث (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر والی) میں ان حضرات کا رد ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ نماز استسقاء کے سوا دُعا میں دونوں ہاتھ بالکل نہیں اٹھانا چاہتے۔"

اس تعلق سے حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کی جز رفع الیدین اور الادب المفرد نیز صحیحین، ترمذی، نسائی اور حاکم کے حوالے سے چند روایتیں بھی تائید میں نقل کی ہیں۔ان تمام روایتوں میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے چوں کہ کتب حدیث کے نام بغیر صفحہ، باب کے دیے ہیں۔ اس لیے راقم الحروف ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے سے متعلق روایات باب یا صفحہ کے حوالے کے ساتھ درج کر رہا ہے تاکہ قارئین کو زیادہ استفادے کا موقع اور اطمینان ملے۔

(۱۰) ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں ایک روایت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب جز رفع الیدین اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے روایت میں پہلے حلال روزی اور عمل صالح کی اہمیت بتلائی گئی ہے۔اس کے بعد روایت کے الفاظ یہ ہیں:

**ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیہ الی السماء یارب یارب ومطعمہ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام وغذی بالحرام فانّی یستجاب لذلک.** (رفع الیدین،ص۱۸، ومسلم شریف کتاب الدعاء)

یعنی پھر آپؐ نے ذکر فرمایا کہ ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے اور پریشان حال اور غبار آلود ہو کر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتا ہے۔اے میرے رب میرے رب اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے اور حرام غذا سے اس کا نشو ونما ہوا ہے، تو اس آدمی کی دُعا کیسے قبول ہوگی؟"

**(۱۱) عن عبدالرزاق عن معمر عن الزھری قال کان رسول اللہ صلی اللہ**



**علیہ وسلم یرفع یدیہ عنہ صدرہ فی الدعاء ثم یمسح بھا**[1]

(مصنف عبدالرزاق، ج۲،ص۲۴۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں اپنے ہاتھ سینے تک اُٹھاتے پھر انھیں چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔

آگے امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"میں نے معمر کو ایسا کرتے (یعنی ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتے اور دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے) بارہا دیکھا اور بذاتِ خود میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔" **(وربما رأیت معمرا یفعلہ وانا افعلہ)**

**(۱۲) اخبرنا سلام بن معاذ حدثنا حماد بن الحسن عن عنبہ حدثنا ابو عمر الحوضی حدثنا سلام المداینی عن زید السلمی عن معاویہ عن قرۃ عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قضیٰ صلوٰتہ مسح جبھتہ بیدہ الیمنی ثم قال اشھد ان لاالٰہ الا اللہ۔**

(عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی،ص۳۹ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز پوری فرمالیتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنی پیشانی پر پھیر لیتے تھے۔

**(۱۳) عن مسدد حدثنا ابو عوانۃ عن سماک بن حرب عن عکرمۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا زعم أنہ سمعہ عنھا انھا رأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو رافعاً یدیہ یقول انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المومنین آذیتہ اوشتمتہ فلا تعاقبنی فیہ.**

(الادب المفرد للبخاری،ص۲۱۴-۱۵ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۷۹ھ طبع دوم۔مسند امام احمد بن حنبل طبع اوّل، ج۶، ص۱۰۷ طبع جدید ج۶،ص۲۲۵۔مسلم کتاب البر والصلۃ والصلۃ والآداب)

امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے، یہ روایت تھوڑے اختلاف الفاظ کے ساتھ اس طرح نقل کی ہے۔

**عن عبدالرزاق عن اسرائیل بن یونس عن سماک بن حرب عن**

[1] کنز العمال، ج۲،ص۳۹۶ "بہا" کی جگہ "بہما" ہے۔یہی صحیح ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

**عکرمہ عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه يدعو حتى اتى الأسأم له مما يرفعهما اللهم انما انا بشر فلا تعذبني بشتم رجل شتمته او آذيته.** (مصنف عبدالرزاق، ج۲،ص۲۵۱) امام احمد نے اس روایت کو تین سندوں سے روایت کیا ہے۔ (دیکھیے مسند عائشہ ج۲، ۲۲۵) نورالدین ہیثمی کی تحقیق کے مطابق تینوں سندوں کے رواۃ صحیح ہیں۔

مجمع الزوائد ج۱۰، ص۱۶۸ نیز دیکھئے کنزالعمال حافظ متقی ج۲، ص۲۹۶۔ تمام روایتوں کے رواۃ، سماک بن حرب پرآ کرمل جاتے ہیں۔

سب کا معنی ایک ہی ہے، یعنی حضرت عائشہ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کررہے ہیں کہ اے اللہ میں بشر ہی تو ہوں اس لیے اگر میں نے کسی مومن کو تکلیف دی ہو یا اسے بُرا بھلا کہا ہو تو اس کی وجہ سے مجھے سزا نہ دینا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ دُعا میں اتنی دیر تک ہاتھ اُٹھائے رکھتے تھے کہ میں اُکتا جاتی تھی۔

(۱۴) **حدثنا علی قال حدثنا سفيان قال حدثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة قال قدم الطفيل عن عمرو الدوسی علی رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان دوساً قدعصت وابت فادع الله عليها فاستقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم القبلة ورفع يديه فظن الناس انه يدعو عليهم فقال اللهم اهد دوسا و انت بهم.** (الادب باب رفع الايدی فی الدعاء، (ص۲۷۶۔ بخاری کتاب الجہاد و باب الدعاء للمشرکین بالہدی۔ مسلم کتاب فضائل الصحابہ۔ جزء رفع الیدین البخاری، ص۷)

یعنی حضرت طفیل بن عمر الدوسی آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ قبیلہ دوس معصیت اور انکار میں گرفتار ہے، اس کے لیے بددُعا کردیجیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دونوں ہاتھوں کو اُٹھایا۔ حاضرین نے گمان کیا کہ آپ قبیلہ دوس کے لوگوں کے لیے بددُعا کررہے ہیں۔ (لیکن ایسا نہیں تھا بلکہ) آپؐ نے دوس والوں کے لیے خدا سے دُعا کی کہ خدایا انھیں ہدایت دے اور ان کو حاضر کردے۔



(۱۵) ایک بڑی مشہور روایت ہے جو بہت سی کتب حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ روایت یہ ہے:

**قحط المطر عاما فقام بعض المسلمين الى النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة فقال يا رسول الله قحط المطر واجدبت الارض وهلك المال فرفع يديه ومايرى في السماء من سحابة فمدّ يديه حتى رأيت بياض ابطيه يستسقي الله فما صلينا الجمعة حتى اهم الشاب القريب الدار الرجوع الى اهله الخ......** (الادب المفرد باب رفع الايدي في الدعاء. بخاری شریف کتاب الاستسقاء وباب الاستسقاء في المسجد الجامع مسلم باب الدعاء في الاستسقاء. موطا امام مالک کتاب الاستسقاء. سنن ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰة، باب ماجاء في الدعاء في الاستسقاء، نسائی، ابوداؤد، مذکورہ باب)

تمام روایتوں کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ مذکورہ کتب حدیث کے محولہ مقامات دیکھے جاسکتے ہیں۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ لوگوں نے قحط سالی، کھیتی خشک ہوجانے اور جان و مال کی ہلاکت کی اطلاع دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی۔ اور خوب خوب بارش ہوئی۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ اتنی زوردار بارش ہوئی کہ لوگوں نے اس کے تھم جانے کے لیے دُعا کرنے کی درخواست بھی کی۔

(۱۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسوف (سورج گرہن) کے موقع پر بھی ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ثابت ہے۔

**في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا انكسفت الشمس فنبذتهن لانظرن مايحدث لرسول الله صلى الله عليه وسلم في انكساف اليوم فانتهيت اليه وهو رافع يديه يدعو ويكبر و يحمد.**

(مسلم شریف، ج۱، ص۲۹۹)

(۱۷) جنت البقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ثابت ہے:

**فوقف في ادنى البقيع ثم رفع يديه ثم انصرف.** (رفع الیدین البخاری، ص۱۷)

صحیح مسلم میں، اسی نوعیت کی ایک قدرے طویل روایت ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''جنت البقیع'' میں تشریف لے جانے اور وہاں طویل قیام فرمانے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آپ نے، تین مرتبہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔ (**جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات۔** (مسلم شریف، ج۱، ص۳۱۳)

اس کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے طویل دُعا کرنے اور اس میں دونوں ہاتھ اُٹھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

(۱۸) امام بخاریؒ نے ولید کی بیوی کی اپنے شوہر کے تعلق سے شکایت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (جز رفع الیدین ص۱۷)

(۱۹) وضو کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی ہے اور دستِ مبارک کو اس حد تک بلند فرمایا کہ آپ کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگی۔

**(دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بماء فتوضأ ثم رفع یدیہ فقال اللھم اغفر لعبیدہ ابی عامر و رأیت بیاض ابطیہ۔**

(بخاری شریف باب الوضو عندالدعاء)

(۲۰) مسلم شریف کی ایک لمبی روایت میں اپنی امت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کا ذکر ہے ''**فرفع یدیہ وقال امتی امتی وبکی**'' (مسلم شریف ج۱ص۱۱۳)

(۲۱) ایک روایت، محدث ابن ابی حاتم نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے۔ **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ماسلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولیدبن الولید۔**

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رُخ ہونے کی حالت میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دُعا فرمائی کہ خدایا ولید بن ولید کو نجات دے۔

(معارف السنن ج۳، ص۱۲۳)

(۲۲) ایک اور قابل توجہ روایت علامہ سید سمہودیؒ کی وفاء الوفاء ج۱ ص۳۷، ۳۸، اور مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی معارف السنن ج۳، ص۱۲۳ پر موجود ہے۔ دیگر کتب احادیث وسیر میں بھی یہ روایت پائی جاتی ہے۔



**عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر ثم اقبل علی القوم فقال اللھم بارک لنا فی مدینتنا و بارک لنا فی مدنا و صاعنا۔**

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت دے اور ہمارے مد اور صاع (ناپنے کے پیمانے) میں برکت رکھ دے)

(۲۳) ایک روایت صحیح ابن خزیمہ میں آئی ہے:

**عن ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبداللہ ذی النجارین وفیہ فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ۔** (فتح الباری ج۱۱، ص۱۲۱)

یعنی عبداللہ ذو النجارین کی تدفین سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے قبلہ رُخ ہو کر اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔

ان ۲۳ روایتوں کے علاوہ اور بھی روایتیں ہیں جن میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کا ذکر ہے اور انھی روایتوں کے پیش نظر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہا، ومحدثین حتی کہ غیر مقلد علماء نے بھی ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کا استحباب وفضیلت نقل کیا ہے۔ یہ شروع سے امت کے علماء، کا معمول رہا ہے۔ اور تاریخ کے کسی دور میں بھی، ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے اور پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو چہرے پر پھیر لینے کو بدعت اور شرعاً قابل ترک نہیں سمجھا گیا ہے۔

## محدثین اور غیر مقلد علماء کی آراء

نماز کے بعد، دُعا میں ہاتھ اُٹھانے کے سلسلے میں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا نام قابل ذکر ہے۔ انھیں غیر مقلد حضرات خاصی اہمیت دیتے ہیں۔ آپ نے مسلم شریف کی شرح میں متعدد مواقع و مقامات پر ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی دو کتاب کتاب الاذکار اور المجموع جلد سوم خاص کر آخرالذکر کتاب میں خاصی تفصیل سے تحریر کیا ہے۔ ان کی کتاب ریاض الصالحین بھی ذکر دُعا سے خالی نہیں ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے **المجموع شرح المهذب** میں ہاتھ اٹھانے اور چہرے پہ ہتھیلیوں کو پھیر لینے کے تعلق سے تیس روایتیں نقل کی ہیں۔ اور ان کے پیش نظر انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دُعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ **اعلم انه مستحب** ۔ (کتاب **المجموع شرح المهذب للشیرازی ازی، "باب فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء خارج الصلوٰۃ وبیان جملة من الاحادیث الواردة فیه."** ص ۴۴۸ تا ۴۵۰، مطبوعہ المکتبہ العلمیہ )

امام نووی نے تمام روایتوں کو نقل کرنے کے بعد آخر میں تحریر کیا ہے کہ جو شخص ان احادیث کو ان کے مواقع کے ساتھ خاص کرتا ہے وہ فحش غلطی پر ہے۔(**المقصود ان یعلم ان من ادعی حصر المواضع التی وردت الاحادیث بالرفع فیها فهو غالط غلطاً فاحشاً**)

انھوں نے اپنی کتاب، کتاب الاذکار میں بھی نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور ترمذی کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی، اور ابوداؤد کی حضرت ابن عباسؓ والی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ( دیکھئے کتاب الاذکار ص ۲۳۵ )

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دُعا میں ہاتھ اٹھانے کو جائز و مستحب قرار دیا ہے۔ انھوں نے فتح الباری کی گیارھویں جلد میں رفع الیدین فی الدعاء کے تعلق سے خاصا تفصیلی کلام کیا ہے اور عدم جواز کے قائلین کے شبہات واعتراضات کا جواب دیا ہے۔

حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری جلد ۱۱ کے صفحہ ۱۱۸ سے ۱۲۱ تک ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں متعدد روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "اس بارے میں کثیر احادیث ہیں" (**الاحادیث فی ذلک کثیرة**) اسی طرح اپنی کتاب بلوغ المرام میں زیر بحث مسئلے سے تعلق سے جو روایتیں نقل کی ہیں ان سے بھی حافظ صاحبؒ کا نقطۂ نظر معلوم ہو جاتا ہے۔

لگے ہاتھوں بلوغ المرام کے مشہور و معروف شارح شیخ محمد بن اسماعیل **الامیر الیمنی الصنعانی** کی رائے و تحقیق کو پیش کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ موصوف کا شمار غیر مقلد علماء میں ہوتا ہے۔ اس لیے غیر مقلد حضرات کے نزدیک ان کی بڑی اہمیت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بلوغ المرام کے باب صلاۃ الاستقاء میں



حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک طویل روایت نقل کی ہے، جو ابوداؤد میں ہے۔ روایت کی سند، بہ تحقیق حافظ صاحبؒ جید ہے۔ (واسناده جید)

روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ لوگوں نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی۔ **ثم رفع یدیه فلم یزل حتی رُئی بیاض ابطیه...... ورفع یدیه ثم اقبل علی الناس.**

اس روایت پر بحث کرتے ہوئے شیخ یمنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دُعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کے لیے دلیل شرعی موجود ہے۔(**فی الحدیث دلیل علی** شرعیة رفع الیدین عنک الدعاء سبل السلام ص ۱۷ ۵، ج ۲)

آگے انھوں نے تحریر کیا ہے کہ "**قد ثبت رفع الیدین عند الدعاء فی عدة احادیث**" یعنی دُعا کے وقت ہاتھ اُٹھانا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ مزید اطلاع دیتے ہیں کہ اس تعلق سے علامہ منذری نے ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ امام نووی کا بھی حوالہ دیا ہے اور جن روایتوں سے شبہ پیدا ہوتا ہے ان کا موقع و محل متعین کرتے ہوئے مسئلے کی وضاحت کی ہے۔

ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کے سلسلے میں، انھوں نے سبل السلام کی چوتھی جلد ص ۱۲۲۹-۱۲۳۰ میں بھی بحث کی ہے۔ راقم الحروف نے نمبر ۱۱، پر جو روایت نقل کی ہے اس کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دُعا میں ہاتھ اٹھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ پھر ابوداؤد کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مونڈھے تک دُعا میں اُٹھانا چاہیے۔ (**ان ترفع یدیک حذو منکبیک**)

آگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کر کے ( جسے راقم الحروف نے ۲ پر نقل کیا ہے ) لکھا ہے کہ اس حدیث میں دُعا سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لینے کی مشروعیت کی دلیل ہے[۱] **فیه دلیلٌ علی مشروعیة مسح الیدین بعد الفراغ من الدعاء۔**

---

[۱] وکان المناسبة انه تعلی لما کان لایردهما صفراً فکان الرحمة اصابتهما وفناسب افاضة ذلک علی الوجه الذی هو اشرف الاعضاء احقها بالتکریم.

نواب صدیق حسن خاں قنوجی، بھوپالی کا غیر مقلد علماء میں جو مقام ہے وہ ظاہر ہے۔ ان کا حوالہ میں بعد میں دینا چاہتا تھا، لیکن چونکہ انھوں نے بھی بلوغ المرام کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام "مسک الختام" ہے۔ اس لیے یہیں پر حوالہ دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے باب الاستقاء اور باب الذکر والدعاء میں ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کی تائید کی ہے۔

باب الاستقاء کی روایت و بحث "مسک الختام" کی دوسری جلد میں ص۱۸۱ سے ص۱۸۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔ نواب صاحبؒ نے دُعا میں ہاتھ اٹھانے کی تائید میں بہت سی صحیح روایتیں نقل کی ہیں، اس تعلق سے جو شبہات ہیں سب کا ازالہ کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے:

"دریں جا دلیل است بر مشروعیت رفع الیدین نزد دُعاء۔"

"ثابت شدہ است رفع یدین در دُعاء در یک صد حدیث۔"

(دیکھیے مسک الختام مطبوعہ بھوپال ۱۳۱۰ھ)

نزل الابرار کتاب کی غیر مقلدین علماء میں بڑی اہمیت ہے اور اسے بنیادی کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔

کتاب کے "باب آداب الدعاء" میں کہا گیا ہے کہ داعی بوقت دُعا اپنا ہاتھ اُٹھائے۔ دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے کندھوں کے برابر اٹھانا آدابِ دُعا میں سے ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر، تقریباً تیس مواقع پر ہاتھ اُٹھائے ہیں۔

پھر حضرت سلمانؓ اور حضرت انسؓ والی روایت نقل کی ہے۔

آگے مزید لکھا گیا ہے کہ جو دُعا بھی ہو اور جس وقت بھی کی جارہی ہو خواہ پنج وقتہ نمازوں کے بعد یا اس کے علاوہ کسی وقت، ان دُعاؤں میں ہاتھ اُٹھانا حسن ادب ہے، اس پر احادیث کا عموم وخصوص دلالت کرتا ہے۔ اس ادب کے ثبوت میں یہ بات مضر نہیں کہ بعد الصلوٰۃ رفع ید کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ چیز سب کو معلوم تھی، اس لیے اس موقع کے لیے خصوصی تذکرہ لوگوں نے نہیں کیا۔ اور حافظ ابن القیم قدس سرہٗ نے جو بعد الصلوٰۃ دُعا میں رفع ید کا انکار کیا ہے وہ مرحوم کا وہم ہے۔ (نزل الابرار ص۳۶)



مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ اور مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ کی علماء اہل حدیث میں، جو علمی و تحقیقی حیثیت ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ بعد کے غیر مقلد علماء انھیں کے خوشہ چیں ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کی جلد اوّل و دوم دونوں میں فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ (القول الراجح عندی ان رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ جائز لو فعله احد لا بأس علیه۔ (تحفہ ص۲۰۲، ج۲، ص۲۴۴، ج۱)

جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والا رسالہ "محدث" بابت جون ۱۹۸۲ء میں مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ نے ایک استفتاء کا طویل جواب (ص۱۹ تا ۲۹) رقم فرمایا ہے، جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند آواز سے دُعا کرنا متعدد روایات سے مفہوم ہوتا ہے۔

آگے رقم طراز ہیں:

"فرض نمازوں کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا بھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جن روایات میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا ذکر آیا ہے، اگر چہ ان میں سے ہر ایک پر کلام کیا گیا ہے۔ مگر وہ ایسا کلام نہیں ہے کہ ان احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔ اس لیے ان سے امام کے لیے، فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے کا جواز یا استحباب ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور چوں کہ کسی روایت میں اس طرح دُعا کرنے کی خصوصیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یا امام کے لیے ثابت نہیں، اس لیے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا امام ومقتدی دونوں کے لیے جائز ہوگا۔"

"ہمارے نزدیک اولیٰ اور افضل واقرب الی السنۃ یہ بات ہے کہ امام سلام پھیر کر اذکار ماثورہ کے بعد مقتدیوں کی طرف مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھا کر ادعیہ ماثورہ آہستہ آہستہ پڑھیں اور اگر یاد نہ ہوں تو اپنی خواہش اور حاجت کے مطابق اپنی زبان میں دُعا کریں، خواہ اجتماعی شکل میں ہو یا انفرادی صورت میں۔"

"ہمارے نزدیک فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بغیر التزام کے امام اور مقتدیوں کا ہاتھ اٹھا کر آہستہ آہستہ دُعا کرنا جائز ہے، خواہ انفرادی شکل میں ہو یا اجتماعی شکل

میں، ہمارا عمل اسی پر ہے۔" (رسالہ محدث جون ۱۹۸۲ء)

مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اہل حدیث علماء کے شیخ الکل فی الکل ہیں، انھوں نے فتاویٰ نذیریہ میں تحریر کیا ہے:

"نماز کے بعد دُعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے جیسا کہ **عمل الیوم و اللیلۃ** میں ابن سنی نے ذکر کیا ہے۔" پھر وہ روایت نقل کی ہے جس کی راقم الحروف نے نمبر ۸ میں نقل کیا ہے۔ روایت کا یہ جملہ **مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلاۃ** قابل توجہ ہے۔

روایت نقل کرنے کے بعد صاحب فتاویٰ نذیریہ کہتے ہیں۔

"اس حدیث سے صلاۃ مکتوبہ کے بعد ہاتھ اٹھانا ثابت ہوتا ہے، اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن متکلم فیہ ہیں، جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے لیکن یہ بات نماز کے بعد دُعا کے استحباب کے منافی نہیں کیونکہ ضعیف روایتوں سے استحباب پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔"

اس کے بعد مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے دو روایتیں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان سب روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنے کا قولی اور فعلی دونوں ثبوت موجود ہے۔"

(فتاویٰ نذیریہ۔ ج ۲، ص ۲۶۵)

علماء اہل حدیث میں ایک نمایاں ترین نام مولانا حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ راقم الحروف نے ان کی بہت سی تحریریں پڑھی ہیں۔ ان سے مولانا روپڑیؒ کے وسیع المطالعہ اعتدال پسند اور انصاف پسند ہونے کا ثبوت ملتا ہے (مثلاً تین طلاق کے مسئلہ میں دلائل کی روشنی میں علماء اہل حدیث سے اختلاف کیا ہے)

مولانا روپڑیؒ نے حافظ ابن ہمام، حافظ ابن حجرؒ اور امام نوویؒ کے حوالے سے یہ لکھتے ہوئے کہ فضائل اعمال اور ترغیبات و ترہیبات میں ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے، لکھا ہے "نماز کے بعد دُعا کے لیے رفع ید جائز ہے۔"



(ترجمان ۱۵ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء)

غیر مقلد حضرات کے نزدیک مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند) کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، مولانا امرتسریؒ لکھتے ہیں کہ:

"صلاۃ مکتوبہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا بعض طرق سے ثبوت ہے۔"

(فتاویٰ ثنائیہ ج ۲، ص ۳۲۸)

سید سابق کو علماء اہل حدیث بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انھوں نے فقہ السنہ کے نام سے ایک بڑی اہم اور اچھی کتاب لکھی ہے۔ کتاب کی دس جلدیں ہمارے مطالعے سے گذری ہیں۔ اس کی چوتھی جلد میں آداب دُعا کے عنوان کے تحت انھوں نے تحریر کیا ہے: دونوں ہاتھوں کو مونڈھے تک اُٹھانا چاہیے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے واضح ہوتا ہے، جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ **رفع الیدین حذو المنکبین**۔

(فقہ السنہ ج ۴، ص ۲۱۰ مطبوعہ دارالبیان کویت ۱۹۶۸ء)

ادب نمبر ۱۴ میں آگے لکھتے ہیں "دونوں ہاتھوں کو دُعا کے بعد اپنے چہرے پر پھیر لے۔" (ایضاً ص ۲۱۴)

جمہور کی ترجمانی میں ہم محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری کی تحقیق نقل کر دینا چاہتے ہیں۔

مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کشمیریؒ کی تقاریر بخاری کو فیض الباری کے نام سے مرتب کیا ہے۔ کتاب کی دوسری جلد میں مسئلہ دُعا پر متعدد مقامات پر کلام فرمایا ہے۔ (مثلاً ج ۲، ص ۳۱۶، ص ۳۱۸۔ نیز نیل الفرقدین (ص ۱۲۳) میں مسئلہ دُعا پر روشنی ڈالی ہے۔)

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جچی تلی بات فرمائی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دُعائیں بطور ذکر ہوا کرتی تھیں۔ آپؐ ہمیشہ رطب اللسان رہتے تھے۔ آگے فرماتے ہیں:

"دوام ذکر کے باوجود دُعا کو رفع ید پر منحصر کرنا صحیح نہیں ہے، نہ ہی یہ

بات ہے کہ رفع ید محض بدعت ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بہت سارے اقوال میں ہدایت ہے البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد رفع ید کم کیا ہے۔ یہی حال اذکار و اوراد کا بھی ہے، کہ آپؐ نے اپنے لیے وہ اذکار منتخب فرمائے تھے، جن کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے کیا تھا۔ بقیہ چیزوں کی آپؐ نے امت کو رغبت دلائی۔

”اس کے پیش نظر اب اگر کوئی شخص نماز کے بعد دُعا میں ہاتھ اُٹھانے کا التزام کرتا ہے تو گویا اس نے آپؐ کی ترغیبات پر عمل کیا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس پر بہت زیادہ نہیں ہے۔“

**لا ان الرفع بدعة فقد هدى اليه فى قوليات كثيرة وفعله بعد الصلوٰة قليلا وهكذا شأنه فى باب الاذكار والاوراد اختار لنفسه ما اختاره الله به و بقى اشياء رغب فيه الامة فان التزام احدمنا الدعاء بعد الصلوٰة برفع اليدين فقد عمل بما رغب فيه وان لم يكثره بنفسه.** (فیض الباری، ج ۲، ص ۱۶۷)

مذکورہ علماء، محدثین وفقہاء کی تحقیق کی روشنی میں یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا نہ تو بدعت ہے نہ شرعاً قابل ترک۔ اس تعلق سے سطور بالا میں بیشتر ان علماء کی تحقیقات نقل کی گئی ہیں جو اہل حدیث ہیں، یا جن کی علماء اہل حدیث میں بڑی قدر و اہمیت اور مقام و مرتبہ ہے۔

اس کے برعکس عدم جواز کے قائلین نے جو نکتے اور تحقیقات پیش کی ہیں وہ کوئی زیادہ اطمینان بخش نہیں ہیں۔ ایسے علماء میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ سعید بن حجر وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ ان حضرات کی راقم الحروف نے تحریریں اور تحقیقات پڑھی ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ ہمیں ان کی تحقیقات وتحریرات سے اطمینان نہیں ہوا۔ اور ایسا لگتا ہے کہ انھیں خود اطمینان نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوے کی ۲۲ویں جلد میں نماز کے بعد دُعا کرنے کے سلسلے میں بحث وگفتگو کرتے ہوئے اُسے بدعت، غیر مستحب وغیرہ قرار



دیتے ہیں، لیکن آگے یہ خود ہی لکھ جاتے ہیں کہ چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں صرف ایک دو حدیثیں وارد ہیں جو لائق حجت نہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲، ص ۵۱۹) وہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد نہیں بلکہ نماز کے اندر دعا کرنا اور ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔

سوال یہ ہے کہ ممانعت کی آپ کے پاس کتنی روایتیں ہیں۔ کیا ایک دو روایتیں جواز واستحباب کے لیے کافی نہیں ہو سکتی ہیں؟

امام ابن قیم کا دعویٰ یہ ہے کہ نماز کے سلام کے بعد قبلہ کی طرف یا مقتدی کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرنا بالکل ثابت نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں کوئی صحیح اور نہ حسن روایت ہی مروی ہے۔ البتہ نماز کے اندر دعائیں کر سکتا ہے۔ سلام کے بعد مناجات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اس لیے نماز کے بعد دعا کرنا غیر مشروع ہے۔

(زاد المعاد جلد اوّل، ص ۵۸-۲۵۷)

لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا اور مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا صحیح بخاری کی روایتوں سے ثابت ہے۔ اس بات کے پیش نظر مولانا ظفر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن قیمؒ کے دعوے پر حیرت وتعجب کا اظہار کیا ہے۔

(دیکھیے اعلاء السنن، ج ۲، ص ۱۵۸-۱۵۹)

آئندہ صفحات میں نماز کے بعد مطلق دعا کے سلسلے میں بحث کریں گے۔ نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے کے سلسلے میں قارئین پڑھ چکے ہیں۔

## نماز کے بعد مطلق دعا کا بیان

قدیم علماء غیر مقلدین نماز کے بعد دعا اور اس میں ہاتھ اُٹھانے کو جائز قرار دیتے رہے ہیں جیسا کہ سابقہ تفصیلات سے واضح ہوتا ہے۔ لیکن بیشتر جدید غیر مقلد علماء، کچھ عرب علماء اور امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کی کمزور تحقیق سے متاثر ہو کر نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے اور پھر انھیں چہرے پر پھیر لینے کا ہی صرف انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ سرے سے دعا کو ہی بدعت قرار دیتے ہیں اور اس کو شرعاً وعملاً ترک کر چکے ہیں۔ ان کی

مساجد میں دو چیزیں خاص طور سے دیکھنے کے لیے ملتی ہیں۔ایک تو بے پرواہی سے ننگے سر نماز پڑھنا، دوسری یہ کہ سلام پھیرتے ہی بغیر ذکر ودعا کے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اسے ''سنت پرعمل'' کا نام دیتے ہیں اور احادیث میں فرض نماز کے بعد دعا کرنے کے سلسلے میں جو روایات ہیں اُنھیں سلام سے پہلے، نماز کے اندر کی دعاؤں پر محمول کرتے ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ کی بھی یہی تحقیق ورائے ہے۔

لیکن ذکر ودعا کے تعلق سے تمام روایتوں کے مطالعہ سے ان حضرات کی تحقیق ورائے مبنی برصواب معلوم نہیں ہوتی ہے جو تمام دعاؤں کو نماز کے اندر سلام سے پہلے پر محمول کرتے ہیں۔

جن محدثین اور علمائے اہل حدیث کے حوالے گذشتہ صفحات میں دیے گئے ہیں وہ نماز کے بعد دعا کو مسنون قرار دیتے ہیں۔کچھ غیر مقلد علماء بھی یہی کہتے ہیں۔دستور المتقی غیر مقلدین کے حلقے کی مشہور کتاب ہے، جس میں تحریر کیا گیا ہے:

''نماز کے بعد جو کچھ اللہ سے مانگیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرضوں کے بعد دعا بہت ہی مقبول ہوتی ہے۔''

(دستور المتقی، ص ۱۱۶، مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل ۱۹۸۹ء)

ثبوت میں کتاب کے مصنف شیخ الحدیث مولانا یونس قریشی دہلوی نے ابوداؤد مترجم ص ۳۵۱ کا حوالہ دیا ہے۔

اس تعلق سے سب سے واضح ثبوت ودلیل وہ روایت ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسط سے نقل فرمایا ہے۔اور ان کی تحقیق کے مطابق روایت حسن درجے کی ہے۔

**عن ابی امامة رضی الله تعالی عنه قال: قیل لرسول الله صلی الله علیه وسلم ای الدعاء اسمع؟ قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوٰت المکتوبات وقال حدیث حسن.** (ترمذی کتاب الدعوات)

ابن خزیمہ نے اس رویت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ صححه' ابن خزیمه۔



(حاشیہ ریاض الصالحین، ص ۵۶۴، باب مانی مسائل الدعا)

صاحبِ مشکوٰۃ محدث تبریزیؒ نے اس روایت کو کتاب الصلوٰۃ کے باب الذکر بعد الصلوٰۃ کی فصل ثانی میں نقل کیا ہے۔ترمذی کے حوالے سے حضرت امام شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب آثار السنن جلد اول، ص ۱۲۶ پر باب ماجاء فی الدعاء بعد المکتوبۃ میں نقل فرمایا ہے۔

اس روایت کے ایک راوی ابن جریج میں معمولی کلام ہے۔بقیہ رجال مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ثقہ ہیں۔ ''رجال ثقات''

(الفاتح، ج ۲، ص ۳۲۶، مطبوعہ بنارس، ۱۹۹۵ء، چوتھا ایڈیشن)

ابن حجر عسقلانیؒ نے ہدایہ کی تخریج، درایہ میں نقل کرکے اس کے روایت کو ثقہ قرار دیا ہے۔(دیکھئے درایہ، ص ۱۳۸) روایت کا ترجمہ یہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ، اللہ کے نزدیک کون سی دعا زیادہ مقبول ومسموع ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ آخر شب کے وسط کی اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا سب سے زیادہ مقبول ہوتی ہے۔

جو حضرات نماز کے بعد دعا کے قائل نہیں ہیں، وہ روایت میں موجود لفظ ''دبر'' کو آخر کے معنی میں لیتے ہیں۔لیکن دیگر بہت سی روایتوں اور زیر بحث روایت کے سیاق وسباق کے الفاظ کے پیش نظر ''دبر'' کو آخر کے معنی میں لینا خلافِ حقیقت ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ لفظ ''دبر'' آخر، بعد، دونوں معنی میں آتا ہے تو صرف ایک معنی میں لینے کے لیے اصرار وضد چہ معنی دارد؟ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے آخر میں سلام سے پہلے بھی دعائیں فرمانا ثابت ہے۔لیکن تمام دعاؤں کو سلام سے قبل نماز کے آخر پر محمول کرنا مبنی برحقیقت نہیں ہوگا۔

مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ نے بھی زیر بحث روایت میں مذکور دُعا کو فرض نماز کے بعد پر محمول کیا ہے۔اور ''فی دبر کل صلاۃ'' کو عقب کل صلاۃ کے معنی میں لیا ہے۔

(دیکھئے مرعاۃ جلد ۳، ص ۳۳۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حنابلہ (مثلاً ابن قیمؒ، ابن تیمیہؒ) کے اس دعوے کی کہ یہ حدیث نماز کے اندر دُعا کرنے سے متعلق ہے، تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ دعویٰ' ذہب اہل الدثور' کی روایت سے رد ہو جاتا ہے کیونکہ اس روایت میں تو یہ ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد تسبیح پڑھتے تھے اور یہ یقیناً نماز کے بعد ہوتی تھی۔''

(فتح الباری ج ۲، ص ۲۷۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی الجامع الصحیح جلد دوم میں جو باب قائم کیا ہے اس سے بھی مذکورہ دعوے کی تردید ہو جاتی ہے۔ آپ نے جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے ''الدعاء بعد الصلوٰۃ'' یعنی نماز کے بعد دُعا کرنے کا بیان، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب کی جو اہمیت ہے، اس سے علم حدیث کا ہر طالب علم واقف ہے۔

امام بخاریؒ نے مذکورہ باب کے تحت جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

**عن ابی هریرة قالوا یا رسول الله ذهب اهل الدثور بالدرجات والنعیم المقیم قا: کیف ذاک؟ قال صلوا کما صلینا وجاهدوا کما جاهدنا وانفقوا من فضول اموالهم ولیست لنا اموال، قال افلا اخبرکم بامرٍ تدرکون به من کان قبلکم وتسبقون من جاء بعدکم ولایاتی احد بمثل ماجئتم به الامن جاء بمثله تسبحون فی دبر کل صلاه وتحمدون عشراً وتکبرون عشراً.**

اس روایت کی خط کشیدہ عبارت قابل توجہ ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ غریب صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولت مند تو ہم سے بازی لے گئے، درجات میں بھی اور حصولِ جنت میں بھی، اس کے جواب میں دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے آپؐ نے ان غریب صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم ان دولت مندوں کے درجات کو پا سکتے ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ تم ہر فرض نماز کے بعد دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر پڑھ لو۔

○ دوسری روایت یہ ہے:



**ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقول فی دبر کل صلاة اذا سلم لااله الاالله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شئی قدیر اللهم لا مانع لما اعطیت ولامعطی لما منعت ولاینفع ذاالجدمنک الجد.**

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد جب سلام پھیر لیتے تو کہتے لاالٰہ الااللہ الخ۔

بخاری شریف کی ان دو روایتوں اور دیگر روایتوں کے پیش نظر حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ جو حضرات فرض نمازوں کے بعد مطلقاً دُعا کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا قول مردود ہے۔ **(قلت وما ادعاه من النفی مطلقاً مردود فقط ثبت عن معاذ بن جبل ان النبی صلی الله علیه وسلم قال له یامعاذ انی والله لأحبک فلا تدع دبر کل صلاة ان تقول اللهم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک. اخرجه ابوداؤد والنسائی وصححه ابن حبان والحاکم)**

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دُعا بعد الصلوٰۃ کا جو باب، قائم کیا ہے اس کے تعلق سے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ باب قائم کرنے کا مقصد ان لوگوں کا رد ہے، جو کہتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد دُعا مشروع نہیں ہے۔ **(ای المکتوبة وفی هذه الترجمة رد علی من زعم ان الدعاء بعدالصلوٰة لایشرع)**

آگے انھوں نے ابن قیمؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے کہ فرض نماز کے بعد امام کا، مقتدی یا قبلہ کی طرف، رُخ کر کے دُعا کرنا ثابت نہیں ہے، لکھا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ فرض نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور یہ سب دُعائیں کرتے تھے۔

**فقد ثبت انه کان اذا صلی اقبل علی اصحابه فیحمل ماورد من الدعاء بعدالصلوٰة علی انه یقول بعد ان یقبل بوجهه علی اصحابه.**

آگے انھوں نے حضرت ابوبکرؓ والی روایت مسند احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم کے

حوالے سے نقل کی ہے۔روایت یہ ہے۔

**اللھم انی اعوذبک من الکفر و الفقر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعوبھن دبر کل صلاۃ.**

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعا کرتے تھے۔

جو حضرات، احادیث میں مذکورہ دُعاؤں کو سلام سے پہلے کی دُعاؤں پر محمول کرتے ہیں ان کی حضرت امام بخاریؒ نے باب الدعاء بعد الصلوٰۃ قائم کرکے پوری طرح تردید و تغلیط فرمادی ہے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس طرح کے کمزور دعوے کی پوری طرح تردید کردی ہے۔انھوں نے لکھا ہے کہ دبر کے معنی نماز کے آخر، سلام سے پہلے پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، ہر نماز کے بعد ذکر کے لیے کہا گیا ہے اور اس سے متفقہ طور پر سلام کے بعد کا ذکر ہی مراد ہے۔(**فان قیل المراد بدبر کل صلاۃ قرب آخرھا وھو التشھد، قلنا قدورد الامر بالذکر دبر کل صلاۃ والمراد بہ بعد السلام اجماعاً.**

حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے راقم الحروف نے جو لکھا ہے وہ فتح الباری جلد گیارہ کے صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۲ میں موجود ہے۔

بہت سی صحیح روایتوں میں واضح طور پر فرض نماز کے سلام کے بعد دعائیں کرنے کا ذکر ہے۔گذشتہ سطور میں بخاری شریف کے حوالے سے جو دوسری روایت نقل کی گئی ہے اس میں صریح طور پر سلام کے بعد، دعا کا ذکر ہے۔اس لیے روایتوں میں مذکور، دعاؤں کو سلام سے پہلے نماز کے آخر پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔اس بات کو اور مذکورہ تفصیلات کو نظر میں رکھتے ہوئے ذیل کی احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

● **کان اذا سلم استغفر اللہ ثلاثاً وقال اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام** (ترمذی، ابوداؤد باب مایقول الرجل اذا سلم، نسائی باب الاستغفار بعد التسلیم، ابن ماجہ باب مایقول بعد التسلیم)

● **وکان یقول فی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لا الہ الا اللہ لاشریک**



**الخ......** (بخاری فی صفۃ الصلوٰۃ. باب الذکر بعد الصلوٰۃ وفی الدعوات باب الدعاء بعد الصلوٰۃ، وفی الرقاق باب مایکرہ من قیل وقال وفی القدر باب لا مانع لما اعطی. مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ وبیان صفتہ)

● **عن علی ابن ابی طالب ان رسول اللہ ﷺ کان اذا سلم من الصلوٰۃ قال اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت الخ......** (ترمذی کتاب الدعوات، وقال حدیث حسن صحیح، ابوداؤد باب مایقول الرجل اذا سلم واسنادہ صحیح)

● **کان رسول اللہ ﷺ یقول فی دبر کل صلوٰۃ اللھم ربنا ورب کل شئی وملائکتہ الخ......** (ابوداؤد مذکورہ باب)

نماز کے بعد دُعا کے سلسلے میں اس طرح کی روایتوں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ اگر سب کو جمع کردیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔صحاح ستہ کے علاوہ ابن سنی کی عمل الیوم واللیلہ، حافظ متقی کی کنز الاعمال، شوکانی کی نیل الاوطار اور دیگر حدیث کی کتابوں کے کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الدعوات اور باب الذکر والدعاء کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ تفصیلات و مباحث سے دُعا میں رفع یدین اور نماز کے بعد، دُعا کے تعلق سے انشاء اللہ بات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور بات کی تہہ تک پہنچنے میں قارئین کو آسانی ہوگی۔نیز یہ بھی واضح ہوگا کہ اعتدال واحتیاط کی راہ کون سی ہے۔

کمپوزنگ: نعمت کمپوزنگ ہاؤس، دہلی۔فون: 2480273